سُرخ گلابوں کے موسم



راحت جبین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

راحت جبیں

سرخ گلابوں کے موسم

"وہ میری محبت کا خوبصورت چہرہ ہے، جس نے ہمیشہ کے لیے جدا ہوتے ہوئے کہا تھا۔ مجھے خاموشیوں میں آواز دینا۔ مجھے گلاب اور گیندے کے پھولوں میں تلاش کرنا۔ کل میں نے غروب ہوتے ہوئے سورج سے کہا کہ وہ میری محبت کو وہاں تلاش کرے، جہاں وہ طلوع ہو رہا ہے۔ میں نے سوکھے زرد پتوں کو اڑاتی ہوا سے کہا۔ اگر کسی زرد پتے پر میری محبت کا نام لکھا ہوا ہو تو وہ زرد پتا مجھے لا دے۔ ہوا زرد پتوں کو اڑاتی گزر گئی۔ میری گلی میں سے موتیے کے پھولوں کی خوشبو نہیں گزرتی۔ میں کس سے اپنی گمشدہ محبت کا پتا پوچھوں۔"

کتاب کے صفحے پھڑپھڑائے تھے اور لفظ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ لکڑی سے بنا قدیم منقش جھولا دھیرے دھیرے ہل رہا تھا۔ ہوا زرد پتے اڑا رہی تھی اور ٹنڈ منڈ درخت اس پر جھکے ہوئے تھے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے دھوپ میں چمکتا ہلکا نیلا آسمان تھا۔ جسے آلوچے کے درخت کی برہنہ شاخ دو حصوں میں تقسیم کر رہی تھی۔ اس نے غور سے اس شاخ کو دیکھا۔ وہ اسے سراپا انتظار لگی۔

اس نے گہری سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔ اس کی انگلیاں سینے پر دھری کتاب کے عنوان پر رینگ رہی تھی۔

خزاں زدہ ہواؤں میں انتظار کی خوشبو رچی تھی۔

تب ہی اس کی انگلیاں ساکت ہوئیں اور کچھ حیران بھی۔ انہوں نے کتاب میں سے جھانکتے ہلکے نیلے لفافے کو چھوا تھا پھر انگلیوں نے اس کا نام ڈھونڈ



لیا۔

سلمان احمد صدیقی۔

جس نے کبھی اسے دیکھا نہیں تھا پھر بھی اس نے لکھا تھا۔

"یہاں بہت تنہائی ہے اور تنہائی بسیط تاریکی کی طرح ہوتی ہے۔ اپنے اندر نگل لینے والی۔ اس مہیب تاریکی میں 'میں کھو جاتا جو میرے ہم قدم تمہاری آنکھیں نہ ہوتیں۔ اماوس کی رات میں چمکتے جگنوؤں کی جگمگاہٹ لیے، جگنو ایسے شرر کی بساط کیا۔ مگر اندھیروں کی موت ایک کرن ہوا کرتی ہے۔ تمہاری آنکھوں کی چمک نہ مجھے کھونے دیتی ہے اور نہ بھٹکنے۔ میرے اندر باہر کی ساری تاریکیوں کو ایک پل میں منا کر رکھ دیتی ہے۔ تم میرے کتنا قریب ہو شاید تمہیں خود بھی اندازہ نہیں۔ میں بتا بھی نہیں سکتا' یہ کیسا اچھوتا سا بندھن ہے۔ جو تمہارے میرے درمیان بندھ گیا ہے۔ میں آتی جاتی ہواؤں سے تمہاری خوشبو چرا لیتا ہوں۔ میں جاتے موسموں سے تمہاری خبر لیتا ہوں۔ سورج کی اولین کرنیں تمہیں چھو جاتی ہیں تو مجھے بتاتی ہیں۔ چاند تمہارے آنگن میں جھانکتا ہے تو مجھے دیکھ کر مسکراتا ہے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں تحریم! نہیں میں تمہیں ککی کہوں گا کہ تحریم سے دوری کا احساس کچھ بڑھ جاتا ہے اور جب یہ احساس مجھے اپنے گھیرے میں لیتا ہے تو میرے تخیل کی کھڑکی کھلتی ہے اور میں تمہیں دیکھتا ہوں۔ سرخ گلابوں کے کنج میں۔ جھولا دھیرے دھیرے حرکت میں ہے۔ فضا میں اولین بہار کی خوشبو رچی بسی ہے۔ شوخ ہوا چنچل سہیلی کی طرح تم پر پھول نچھاور کرتی ہے اور تمہاری سانسوں میں سرخ گلابوں کی مہک بسی ہے۔ تم سوچتی ہو گی مجھے یہ سب کس نے بتایا۔ یہ ہوائیں بڑی شریر ہیں اور چاند بڑا بے ایمان، جو دیکھتا ہے کہہ دیتا ہے۔ تم حیران تو ہوئی مگر ککی! یہ تو بتاؤ۔ کیا تم اب بھی جھولے پر بیٹھ کر اے حمید کے ناول پڑھتی ہو۔"

اس کی آنکھیں بند تھیں اور متحرک انگلیاں وہ دوسرا نیلا لفافہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ تب ہی دوسرا لفافہ گرفت میں آیا۔ وہی ہلکا نیلا لفافہ۔ جس کے کونے میں اس کا نام لکھا تھا۔ سلمان احمد صدیقی۔ اس لفافے کے انتظار میں اس کی عمر کے کتنے ہی سال خزاں کے زرد سوکھے پتوں کی طرح بکھر گئے تھے پھر بھی کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ابھی آنکھوں میں چمک تھی اور دل میں انتظار کی تاب بھی۔

پر اس کے بعد عمر کے کتنے سالوں کو وقت کے ہاتھوں دھول ہونا تھا' کون جانے۔ اب یہ لفافے اس کی متاع حیات تھے کہ یہ دو لفافے' دو کاغذ کے پرزے نہ تھے۔

دو خواب تھے' دو وعدے۔

جو وہ اس کی ہتھیلیوں پر چراغوں کی صورت دھر گیا ہے اور وہ دونوں ہتھیلیاں پھیلائے ان چراغوں کو بے مہر ہواؤں سے بچانے کی کوشش میں خود بجھتی جا رہی تھی اور وقت کتنی آہستگی سے اسے تاسف بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے گزر رہا تھا۔ اسے خبر ہی نہ تھی کہ نظریں تو جلتے چراغوں کی تھرتھراتی لو پر تھیں۔

وہ پہلا خط اک خواب تھا۔

اس سے محبت اور چاہت کا خواب۔

اور دوسرا اک وعدہ تھا۔ لوٹ آنے کا۔

اس نے لکھا نہیں تھا کہ وہ اب بھی اے حمید کے ناول پڑھتی ہے یا نہیں وہ بس منتظر رہی تھی۔ تب برسوں بعد اس نے لکھا تھا۔

"فاصلے بڑھ جائیں تو دلوں کے بندھے بندھن کمزور نہیں پڑتے۔ دوریوں کا احساس دل میں جاگزیں ہو تو انتظار مر نہیں جاتا۔ میں واپس آؤں گا جب تمہاری سماعتیں سبز موسموں کی آہٹیں سنیں گی۔ جب سبز ہوائیں تم پر اپنی خوشبو نچھاور کریں گی۔ جب آلوچے کے پیڑوں پر پہلا گلابی رنگ بکھرے گا۔ جب موتیے کی سفید کلیاں کھلیں گی۔ تمہاری سانسوں میں سرخ گلابوں کی خوشبو مہکے گی۔ میں تب آؤں گا۔ ہاں میں سرخ گلابوں کے موسم میں آؤں گا۔"

اس نے ایک سرد آہ کھینچ کر آنکھیں کھولیں۔ آلوچے کی برہنہ شاخ اب بھی سراپا انتظار بنی نیلے امبر کو دو حصوں میں بانٹتی تقسیم کر رہی تھی۔ زرد ہوا میں انتظار کی خوشبو رچی تھی۔ ٹنڈ منڈ درخت اس پر زرد سوکھے پتے نچھاور کر رہے تھے۔ نہ آلوچے کے پیڑ پر گلابی رنگ بکھرا تھا' نہ موتیے پر سفید کلیاں کھلی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر کے زرد ہوا کا جھونکا تھاما اور کہنے لگی۔

اس سے کہنا میرے آنگن میں موسم مستقل نہیں ٹھہرتے۔ فاصلے بڑھ جائیں تو دلوں کے بندھن کمزور نہیں پڑتے' کبھی کبھی ٹوٹ جاتے ہیں۔

انتظار مرتا نہیں۔ آنکھوں میں منجمد ہو جاتا ہے۔

بس آنکھیں مر جاتی ہیں۔

میری سماعتیں سبز موسموں کی آہٹ سنتے سنتے مرنے لگی ہیں۔ آلوچے کے پیڑ پر کئی بار گلابی پھول کھلے اور کھل کر بکھر گئے۔ موتیے کی سفید کلیاں دھوپ کی زد میں آ کر ٹوٹ گئیں۔

ادھ کھلے گلاب کا دکھ تم کیا جانو کہ جس کی خوشبو فضاؤں میں نہ بکھر سکے اس کے اندر ہی گھٹ کر رہ جائے۔

"تم کیسے آؤ گے سلمان احمد کہ میرے آنگن میں اب سرخ گلاب نہیں کھلتے۔"

زرد ہوا کے جھونکے نے سر جھکا کر یہ سب سنا اور چپکے سے چلا گیا۔

کون جانے یہ جھونکا اس کے گھر تک پہنچے گا یا نہیں۔

——*

یہ ایک شہر کے ہنگاموں سے دور منقش آبنوسی دروازوں والا خوبصورت سفید گھر تھا۔ بہت بڑا مگر کچھ قدیم۔ اس سے متصل بڑا سا باغ۔ اگرچہ سامنے سے گزرنے والی سڑک کی دوبارہ تعمیر کی بنا پر سڑک سے اس کا لیول کچھ نیچا ہو گیا تھا پھر بھی سرسبز بیلوں اور رنگا رنگ پھولوں سے ڈھکا یہ گھر ایک بار تو توجہ ضرور کھینچتا تھا' پھر چھوٹی چار دیواری سے جھانکتے پھل دار اور پھول دار پودے۔ یہ گھر دو بھائیوں کی ملکیت تھا۔

اشفاق احمد صدیقی اور ابصار احمد صدیقی۔

اشفاق احمد صدیقی کا انتقال بہت پہلے ہو گیا تھا۔

ان کا بس ایک ہی بیٹا تھا' زوار احمد صدیقی۔

ابصار احمد صدیقی کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑی تحریم عرف ککی آپا پھر رمنا عرف مانہ' پھر سمانہ اس کا نام اتنا چھوٹا تھا کہ مزید چھوٹا کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی اور سب سے چھوٹے حسام احمد صدیقی عرف ٹیپو۔ بیگم اشفاق اور بیگم ابصار خالصتاً "گھریلو خواتین" تھیں۔

جاتی سردیوں کا اداس اداس ساون تھا۔ گھر میں کچھ خاموش' کچھ سوئی جاگی سی کیفیت طاری تھی۔ جسے پانی کی ٹنکی پر چڑھے ٹیپو کی تیز اور جھنجلائی ہوئی آواز نے جھنجھوڑ اٹھا۔ کتاب میں کھوئی جھولے پر نیم دراز ککی آپا چونک گئیں۔ جبکہ تخت پر گاؤ تکیے کے سہارے اونگھتی بیگم اشفاق ہڑبڑا کر جاگی تھیں۔ جبکہ ان کے اکلوتے فرزند یوں ہی تکیے پر سر رکھے اوندھے پڑے گھاس نوچ رہے تھے۔ عجیب سی بیزاری ان کے لمبے چوڑے وجود پر چھائی تھی۔ یا وہ خود کو بیزار ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہرحال انہوں نے سر اٹھا کر ٹیپو کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سبزیوں کے کھیت میں مصروف وجود بھی بدستور مصروف رہا تھا۔

"میں خودکشی کرنے والا ہوں۔"

ٹیپو کے اس اعلان پر تقریباً "سب ہی کی نگاہیں پرواز کرتی ہوئی پانی کی ٹنکی پر ایستادہ ٹیپو تک گئیں۔ ٹیپو کے ایک ہاتھ میں ٹنکی صاف کرنے والا برش تھا۔ شرٹ کے کھلے بٹنوں اور ٹخنوں تک چڑھائی جینز کے ساتھ وہ جارحانہ انداز میں منڈیر پر کھڑا تھا۔

"کیا فضول باتیں کرتے ہو ٹیپو! سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" بیگم اشفاق عرف تائی اماں نے ہول کر اکلوتے بھتیجے کو بری طرح گھورا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں' یہ بھی کوئی زندگی

ہے۔" اس نے منہ بنا کر دونوں ہاتھ پھیلائے۔

"کیوں کیا ہوا۔ اچھی بھلی تو گزر رہی ہے۔ کفران نعمت مت کرو۔" ککی آپا نے کتاب بند کر کے کسلمندی سے جمائی لی۔

"یہ اچھی بھلی ہے؟ جبر مسلسل کی طرح کٹ رہی ہے۔ میرے پاس ڈھنگ کے کپڑے تک نہیں ہیں اور وہ ابا جی کی گاڑی ہے جسے گاڑی کہنا ہی گاڑی کی توہین ہے۔ کل میں نے فراز سے کہا۔ میں تمہیں لفٹ دے دیتا ہوں تو موصوف نے فرمایا۔ نہیں، مجھے ذرا جلدی جانا ہے اور موصوف پیدل ہی چل دیے اور وہ پرسوں ایک فقیر میرے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا اور ساری جیبیں ٹٹول کر بھی ان میں سے ایک روپیہ بھی نہیں نکلا تو جن نظروں سے اس نے مجھے دیکھا۔ بس یہ کہنے کی کسر باقی تھی کہ بھائی تم بھی میرے ساتھ آجاؤ۔" وہ حسرت ویاس سے کہہ رہا تھا۔

ککی آپا نے اسے بری طرح گھورا۔

"اب کیا پورے محلے کو سناؤ گے۔"

"محلہ۔" ٹیپو نے دانت پیسے۔ "وہ ایک حسینہ مہ جبینہ جلوہ افروز ہوئی تھیں بالکونی میں۔" ٹیپو نے حسرت سے کسی گھر کی بالکونی میں جھانکا۔ "ابھی ابھی اشارا کر گئی ہیں کہ اس گھر کی منکی صاف ہو گئی ہو تو ہماری بھی صاف کر جانا۔"

"خیر اب اتنے بھی حالات نہیں بگڑے۔ وارڈ روب بھری ہے تمہاری کپڑوں سے۔" تائی اماں اس کی مبالغہ آرائی سے خائف نظر آتی تھیں۔

"ہاں بس کبھی کبھی نہا کر انہیں پہننے کی زحمت گوارا کر لیا کرو۔" سمانہ سبزیوں کے کھیت میں سے برآمد ہوئی۔ ایک ہاتھ سے بال سمیٹتے ہوئے اس نے ٹیپو کو گھورا جب کہ دوسرے ہاتھ میں مٹر سے بھری ٹوکری تھی۔ یہ کھیت باغ کے ایک کونے میں کچھ بچت اور کچھ شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے لگایا تھا۔

"پچھلی عید پر نہایا تھا' اب اگلی عید پر نہاؤں گا۔"

وہ شرارت و ڈھٹائی سے بولا۔

پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔ "یہ عید کب آرہی ہے؟"

"جب تم نہاؤ گے۔" ترت جواب آیا۔ "پر نہا کر باہر مت نکل جانا۔ بچے عیدی مانگنے لگیں گے۔"

"اف۔" وہ بھنا کر بولا۔ "یہ ہے میری اوقات یہ ہے میری زندگی۔ بہنو! اور بھائیو!" اس نے [illegible] متوجہ بھائی کو متوجہ کرنے کی کوشش کی' جو بد[illegible] گھاس توڑ توڑ کر ڈھیری لگانے میں مصروف تھا۔

"میں جا رہا ہوں۔"

"ٹیپو صاحب! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" جاجی [illegible] سلف اٹھائے اندر داخل ہوا تھا۔

"ہم چلے اس جہاں سے' دل اٹھ گیا یہاں سے" وہ دل گرفتہ لہجے میں گنگنایا۔

"کوئی ضرورت نہیں تمہیں کہیں جانے کی۔ ج[illegible] بھی تمہیں کوئی کام کہتی ہوں' یوں ہی کھسکنے کی کو[illegible] کرتے ہو۔ منکی صاف کر کے نیچے اترو۔" کچن [illegible] جھانک کر بیگم ابصار نے اپنے اکلوتے فرزند کو [illegible] طرح تاڑا۔ وہ باقی تمام گفتگو سے لاعلم نظر آتی تھیں۔

"اف۔۔۔ اف۔" ٹیپو سر پیٹ کر رہ گیا۔

"آپا! دھیان رکھیں اس کا۔ کام سے پہلے نیچے اترنے پائے۔" انہوں نے تائی جان سے کہا [illegible] غڑاپ سے کچن میں غائب ہو گئیں۔

"تو پیں رکھ دیں نیچے' کہیں میں نیچے نہ آؤں۔" وہ جھنجلایا۔

"ویسے ٹیپو! یہ تم منکی صاف کر رہے ہو یا تمہیں صاف کر رہی ہے۔" سمانہ نے اس کی حال[illegible] زار پر چوٹ کی۔

"بس میں اسی منکی میں کود رہا ہوں۔" وہ د[illegible] آمیز لہجے میں بولا۔ معاملہ اس کی برداشت سے با[illegible] ہو گیا تھا۔

"اس کے لیے منکی کی نہیں' چلو بھر پانی کی ضرور[illegible]

ہے۔" سمانہ نے کہا پھر اس کی طرف توجہ دینے کے بجائے تائی اماں' اماں کی طرف متوجہ ہوئی۔ جبکہ ٹیپو نے جل کر منکی میں چھلانگ لگائی اور رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگا۔ اس کا سارا غصہ اب یہیں نکلنا تھا۔

"جاجی کہاں ہے؟"

"اندر کچن میں سودا سلف رکھ رہا ہے۔" انہوں نے بتایا تو وہ ٹوکری سمیت کچن میں آگئی۔ جاجی کیبنٹ کھولے سامان رکھ رہا تھا۔

"جاجی! فٹافٹ مٹر چھیلو۔" اس نے حکم صادر کیا اور خود ہاتھ دھونے لگی۔

"ہیں جی' آج پھر آلو مٹر پکیں گے۔" جاجی صدمے سے بے ہوش ہونے کو تھا۔ سمانہ نے اسے بری طرح گھورا اور چاول نکالنے لگی۔ ذرا سی دیر میں سارا گھر مٹر پلاؤ کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

بڑی سی ڈائننگ ٹیبل پر مٹر پلاؤ اور رائتہ سجا کر اس نے جاجی کو بھیجا کہ وہ سب کو بلا لائے۔ ٹیپو بھی برآمد ہو گیا تھا منکی میں سے۔ رفتہ رفتہ سارا گھر جمع ہو گیا۔

"ماشاءاللہ سمانہ کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے۔" تائی اماں نے دوسری بار ڈش کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے تعریف کی۔

"تائی اماں! آپ دوسری بار بھی بغیر تعریف کے لے سکتی ہیں' سمانہ بالکل بھی برا نہیں مانے گی۔" رمنا نے شرارت سے کہا۔ تائی اماں جھینپ گئیں۔

"تو میں کوئی اس لیے کہہ رہی ہوں۔"

"بری بات رمنا!" امی نے سرزنش کی۔ وہ لاپروائی سے چاول کھاتی رہی۔

"ذائقے کی بات تو ٹھیک ہے۔ مگر جس تواتر سے یہ ہمیں مٹر کھلا رہی ہے۔ مجھے شک ہے کہ میرے پیٹ میں مٹر کا پودا اگ آیا ہے۔" زوار بھائی نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر تشویش سے کہا۔

"آپ پودے کی بات کر رہے ہیں۔" ٹیپو نے دہائی دی۔ "میری تو شکل روز بروز مٹروں سے مشابہ ہوتی جا رہی ہے۔"

"اس میں ان کا کوئی قصور نہیں' تمہاری شکل پہلے سے ہی ایسی ہے۔" سمانہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیوں تنگ کرتے ہو بے چارے کو۔ چپ کر کے کھانا کھاؤ۔" بیگم ابصار نے انہیں ڈانٹا پھر سمانہ سے پوچھنے لگیں۔ "جاجی کو کھانا دے دیا۔"

"وہ تو سب سے پہلے کھا چکا۔ اب قیلولہ فرمانے گیا ہے۔"

"اب کا تو ہو گیا شام میں۔۔۔؟"

"قیمہ پڑا ہے امی۔"

"تھوڑا ہو گا۔ ایسا کرو' اس میں تھوڑے مٹر ڈال لینا۔"

"پھر مٹر۔" ٹیپو سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

------*

سمانہ کچن سے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں جھکی رمنا کے ساتھ رات دیکھا جانے والا ڈرامہ ڈسکس کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چمچہ تھا اور دوسرا کھلی کھڑکی پر چوکھٹ پر دھرا تھا۔ جبکہ رمنا ہاتھ

میں ناول پکڑے لان چیئر پر بیٹھی بڑے فراغت میں اس کے ساتھ محو گفتگو تھی۔ جبکہ پچن کی کھڑکی پر جھکی عشق پیچاں کے کاسنی پھول سوکھ کر نیچے گر رہے تھے۔ وہ دونوں ہی فراغت کے دن گزار رہی تھیں۔ سمانہ نے گریجویشن کرلیا تھا جبکہ رمنا تھرڈ ایر کے اگیزامز کے بعد کالج کھلنے کی منتظر تھی۔ جبکہ ٹیپو نے حال ہی میں بی ایس سی فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن لیا تھا۔ زوار بھائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاب کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ جبکہ ککی آپا اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ سمانہ کا تو سارا وقت پھولوں' پودوں کو سنوارتے اور کوکنگ کرتے گزر جاتا تھا۔ اس کے بک شیلف میں ساری کتابیں ان ہی موضوعات کے گرد گھومتی تھیں۔ رمنا کے سارے شوق اس کی عمر کے مطابق تھے۔ میوزک' ٹی وی' ناول وغیرہ۔

تب ہی لکڑی کا قدیم طرز کا دروازہ کھول کر ٹیپو آگیا۔

"ہائے۔" اس نے دور ہی سے نعرہ لگایا۔

"وعلیکم السلام۔" رمنا نے فوراً" کہا' جبکہ سمانہ کھڑکی میں سے پوچھ رہی تھی کہ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔

"پکایا کیا ہے آج؟" وہ کھڑکی پھلانگ کر اندر تھا۔ ابھی ابھی کالج سے لوٹا تھا سو بھوک زوروں پر تھی۔

"مرغ۔" سمانہ نے کڑاہی میں کفگیر ہلایا۔

"اس۔" مارے حیرت کے ٹیپو کا منہ کھلا۔ جھٹ شتر مرغ کی طرح گردن کھڑکی سے باہر نکالی۔

"رمنا! تم صبح کتنے بجے جاگی تھیں؟"

"کافی صبح اٹھ گئی تھی' کیوں؟" رمنا نے ناول سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"سورج کدھر سے نکلا تھا؟"

جواباً" سمانہ کا کفگیر اس کی پیٹھ پر لگا۔

"اف۔" وہ تیورا کر پلٹا' تب ہی زوار بھائی کچن میں وارد ہوئے۔

"کہاں ہے وہ۔ خدا کے لیے جلدی چہرہ کرواؤ کہ مدتوں گزر گئیں اس کا دیدار کیے۔"

وہ سمانہ کے حد درجہ قریب آکر بریک لگا سکے تھے۔ سمانہ جھنجلا کر پلٹی پھر انہیں اتنا قریب دیکھ کر اس کفگیر کی ڈنڈی سے انہیں پیچھے کرکے جھنجلا کر پوچھا۔

"کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"ہائے ظالم۔ اس سے پہلے کہ وہ پھر کرکے اڑ جائے' خدارا اس کا دیدار کروا دو۔" اس نے دہائی دی۔

"کون اڑ جائے؟" سمانہ نے حد درجہ حیرت سے پوچھا۔

"میں نے سنا ہے' یہاں مرغ پک رہا ہے۔" ایک دم لہجہ بدل کر کان کھجاتے ہوئے بولے تھے۔

"اف جائیں ٹیبل پر' میں لگا رہی ہوں کھانا۔" سمانہ نے بھنا کر کہا اور رمنا کو کھانا لگانے کا کہنے لگی۔

"سمانہ گھر میں کوئی بیمار ہے؟"

امی اور تائی کو کھانے کا بتا کر وہ لوٹی تو ٹیپو نے پوچھا۔

"نہیں تو' کیوں؟" اس نے پانی کا جگ ٹیبل پر رکھا۔

"تو یقیناً" مرغ بیمار ہوگا۔" ٹیپو نے گویا مرغ پکنے کی وجہ تلاش کرہی لی تھی۔

"پر یہ مرغ ہے کہاں؟" زوار نے شوربے میں ڈبکی لگائی۔

"ٹیپو کی پلیٹ میں۔" رمنا نے نشاندہی کی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں یہ میری ٹانگ ہے۔" ٹیپو نے دونوں ہاتھوں سے اپنی پلیٹ کو ڈھانپا۔

"بیٹے! یہ مرغ کی ٹانگ ہے۔" زوار بڑے آرام سے اس کی پلیٹ سے ٹانگ اڑا گیا تھا۔

"یہ انصاف نہیں ہے۔ کئی مہینوں بعد تو میری باری آئی تھی ٹانگ کھانے کی۔" ٹیپو نے دہائی دی۔

"بچے ابھی تمہاری عمر ٹانگ کھانے کی نہیں ہے۔" زوار نے اطمینان سے کھانے کا آغاز کیا۔

"آپ کی ہے۔" وہ جل گیا۔

"آف کورس ینگ بوائے۔"

"سمانہ! یہ مرغ ایک ٹانگ کا تھا۔" ٹیپو نے ڈونگے میں جھانکا۔

"وہی مرغ کی ایک ٹانگ۔ چپ کرکے کھانا کھاؤ۔ ابو کے لیے سالن رکھ کے آئی ہوں۔ تم لوگ تو سب چٹ کر جاتے۔" سمانہ نے اسے بری طرح لتاڑا۔ وہ برے برے منہ بنا کر کھانا کھانے لگا۔

زوار کھانا کھانے کے فوراً" بعد اٹھ گیا۔

"امی! گاڑی کی چابی کہاں ہے۔ ککی کو اسکول سے لے آؤں۔"

"آپ کو تو جلدی جانا ہوگا۔" ٹیپو نے پوچھا۔

"ہاں چھٹی ہونے والی ہے۔" زوار نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔

"تو پھر پیدل چلے جائیں۔" اس نے آرام سے مشورہ دیا۔ سب اسے ڈانٹنے کی کوشش میں بے ساختہ مسکرائے تھے۔

۔۔۔۔*

گھر کے حالات بگڑے تو پھر بگڑتے ہی چلے گئے تھے۔ ابیسار احمد صدیقی ریٹائر ہوئے تو انہوں نے ساری رقم ملا کر کاروبار شروع کیا مگر تجربہ اور کاروباری سمجھ بوجھ نہ ہونے کی بنا پر کاروبار چل نہ سکا۔ رقم الگ ڈوب گئی۔ آج کل وہ اپنے ڈوبتے ہوئے کاروبار کو سنبھالنے کی کوشش میں مصروف تھے مگر اس کے لیے کثیر سرمائے کی ضرورت تھی۔ گھر والوں نے یہ دیکھ کر گھر کے اخراجات میں کمی شروع کردی۔ ککی آپا نے اسکول میں جاب شروع کردی تھی۔ سمانہ نے یونیورسٹی میں داخلہ لینے سے انکار کردیا۔ زوار کی پوری کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح جاب حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں مگر ہر بار قسمت ساتھ چھوڑ جاتی۔

دونوں خواتین اس وقت سر جوڑے گھریلو بجٹ میں مزید بچت پر غور کررہی تھیں۔ اگرچہ مزید کی گنجائش باقی نہیں بچی تھی کہ فون کو تالا لگ گیا تھا۔ تحفے تحائف دینے پر پابندی عائد تھی۔ دسترخوان سکڑتے سکڑتے ایک ڈش تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ اس میں بھی اگر سمانہ کے کھیت کی سبزی ہوتو زیادہ بہتر ہوتا تھا۔ ٹیپو اور زوار کا جیب خرچ سوائے اشد ضرورت کے بند تھا۔ اگرچہ زوار کے خیال میں ابھی اتنی بری حالت تھی نہیں' جتنی خواتین نے ملی بھگت سے بنادی تھی مگر خواتین کا خیال تھا کہ ابھی سے بچت کریں گی تو آڑے وقت میں کام آئے گا۔ کون جانے زوار کو کب جاب ملے اور کاروبار دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوسکے یا نہیں۔

"پھر کیا سوچا تم نے فصیحہ۔" سمانہ سارے کام سمیٹ کر سبزیوں کی کاشت پر لکھی گئی کتاب ہاتھ میں لیے آئی تو تائی اماں' امی سے پوچھ رہی تھیں۔

"میں کیا سوچوں۔ ککی نہیں مانتی۔" امی نے سرد سی آہ بھری۔ ٹاپک خاصا سنجیدہ تھا۔ سمانہ وہاں رکنے کے بجائے سیدھی لان میں نکل گئیں۔

"اس کو سمجھاؤ۔ پانچ سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا اور پھر سلمان کی کوئی خیر خبر بھی نہیں ملی۔ اتنے فون اور خطوں کے جواب میں ایک جملہ نہیں لکھا اس لڑکے نے۔ کیا پتا وہاں کیا کرتا ہے اور پھر نہیں معلوم ہاں کے کیے گئے فیصلے سے متفق بھی ہے یا نہیں اور پھر اب تو فیصلہ کرنے والی بھی نہ رہی۔ اب ایک ایسی بات جس کا کوئی سرا ابھی ہاتھ میں نہیں۔ کب تک لڑکی بٹھائے رکھیں گے۔۔۔ نہ معلوم وہ لوٹے یا نہ لوٹے۔"

"نہیں سمجھتی۔ بس ایک ہی منطق کہ یہ رشتہ آپ نے اور پھوپھو نے مل کر طے کیا تھا۔ اب وہ سلمان کا انتظار کرے گی۔ جب تک وہ آ نہیں جاتا یا اس کی کوئی خبر نہیں ملتی۔" وہ خود پریشان تھیں۔

"سمجھ میں نہیں آتا کس بھروسے پر وہ انتظار کررہی ہے۔ دو چار سال وہ مزید نہ آیا تو عمر نکل جائے گی ککی کی۔" تائی اماں کے لہجے میں پریشانی در آئی۔

"میں کیا کروں۔ ان لڑکیوں کی پریشانی میں تو رات بھر نیند بھی نہیں آتی۔"

"خیر سمانہ کی تو تم فکر ہی مت کرو' اسے تو کہیں جانا ہی نہیں۔ بس زوار کی نوکری لگنے دو۔ رمنا تو ابھی پڑھ رہی ہے۔ لیکن میں چاہتی ہوں اس سے پہلے ککی کی بات طے ہوجائے۔ بس کسی طرح تم ککی کو سمجھاؤ۔ سائے کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دے۔ رشتہ بہت اچھا

ہے۔ لڑکا کمپیوٹر انجینئر ہے۔ اپنا گھر، گاڑی، سب سے بڑھ کر بیاہ کر اسی شہر میں رہے گی۔"

"وہ صاف کہتی ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" وہ مایوس کن لہجے میں بولیں۔

"پر اس طرح کب تک چلے گا فصیحہ؟" تائی اماں نے تشویش سے کہا۔

"میں اب کیا کہوں۔"

"السلام وعلیکم!" کلکی اسکول سے لوٹی تھی۔ پرس ایک طرف رکھ کر صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔ امی نے اشاروں اشاروں میں تائی اماں کو منع کیا کہ وہ کلکی کے سامنے کوئی بات نہ کریں۔

"زوار! ایک گلاس پانی تو دینا۔" خواتین کے اشارے اتنے مبہم بھی نہ تھے کہ کلکی سمجھ نہ پاتی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ موضوع گفتگو اس کی ذات تھی جو کہ ہمہ وقت رہتی تھی۔ سو وہ یکسر انداز کر کے زوار کی طرف متوجہ ہوئی جو حیرت زدہ سا دھپ سے ان کے قریب بیٹھا۔

"میں تھک گیا ہوں۔"

"تھک کیسے گئے ہو۔؟"

"میں نے گاڑی نہیں چلائی۔" وہ آرام سے ٹانگیں پسار کر بولا۔

"کہہ تو یوں رہے ہو جیسے گدھا گاڑی چلائی ہو۔" کلکی نے گھورا۔

"کسی گدھا گاڑی سے کم ہے وہ رفتار تو کم از کم وہی تھی۔"

"شرم کرو تم لوگ۔ کبھی رب کی نعمت کا شکر ادا نہ کرنا۔" تائی اماں نے بیٹے کو لتاڑا۔

"نعمت کا تو شکر ادا کرتے ہیں، جو چیز زحمت بن جائے اس کا کیا کرتے ہیں۔ خدا کی قسم تین جگہ رک کر اسے دھکا لگایا ہے۔" وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگا۔

"کسی کام کے نہیں ہو تم بھی زوار۔" کلکی جھنجلا کر کچن کی طرف چل دی تھی۔

"آپ خواتین کے درمیان اشارے بازی کس خوشی میں ہو رہی تھی۔" زوار اٹھ کر ان کے پاس آبیٹھا۔

"وہی کلکی کا مسئلہ۔" امی نے مایوسی سے کہا۔ "کسی صورت نہیں مان رہی۔ زوار تمہاری تو بہت دوستی ہے اس کے ساتھ۔ تم ہی مناؤ اسے۔"

"توبہ کریں۔ اس موضوع پر بات کریں تو پیچھے پھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہے۔" اس نے جھٹ کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "ویسے مسئلہ کیا ہے۔"

"اتنا اچھا رشتہ آیا ہے۔ اب ایسے رشتے روز روز تو نہیں ملتے۔ عمر نکلی جا رہی ہے اس کی۔" وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگی تھیں۔ آخر میں اسے کہنا ہی پڑا۔

"میں بات کروں گا اس سے۔"

تب کہیں جا کر وہ لوگ پر سکون ہوئیں۔ گویا کلکی زوار کی بات مان ہی لے گی۔

......*

"یہ کلکی کہاں ہے مانہ؟"

دونوں پاؤں سمیت کرسی پر رکھے کرسی سے ٹیک لگائے بہت انہماک سے ڈرامہ دیکھتی مانہ ذرا کی ذرا چونکی پھر ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے آہستگی سے بولی۔

"اپنے کمرے میں ہوں گی۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس کی۔" زوار نے تشویش سے پوچھا۔ تب ہی رمنا اس کے کان پر جھک آئی۔ "بہت زبردست جھڑپ ہوئی ہے کلکی آپا اور امی کے درمیان۔"

"کیوں خیریت تو تھی نا۔" وہ مکمل طور پر رمنا کی طرف مڑ گیا۔ جواب مانہ نے دیا۔ وہی سیدھا سادا حقیقت پسند لہجہ قدرے بیزاری لیے ہوئے تھا۔

"وہی اسد کے پرپوزل کی بات۔ نہ امی کلکی آپا کے جذبات سمجھتی ہیں نہ وہ۔ تصادم تو ضروری تھا پھر......"

"اُفوہ ڈرامہ تو سکون سے دیکھنے دو۔" ابو جان بری طرح ڈسٹرب ہوئے تھے اس کھسر پھسر سے۔ مانہ ایک دم چپ ہو گئی۔ زوار چپکے سے کلکی کے کمرے

میں آگیا۔

اس کا کمرہ ایک اپنی الگ دنیا بسائے ہوئے تھا۔ کاسنی پھولوں والی بیل نے پورے کمرے کو اپنی بانہوں میں سمیٹ رکھا تھا۔ وہ پھپھو اور رمنا کے کمرے میں جھانکتی تھی تو اس کے پھولوں پر خوشی، شادمانی اور کچی عمر میں دیکھے جانے والے خوابوں کی دلکشی چھا جاتی تھی۔ مانہ کے کمرے کی کھڑکی سے لپٹی تھی تو اس کے پھولوں پر پیار کے رنگ کھلنے لگتے۔ وہ کھل کر مرجھانے اور مرجھا کر کھلنے سے اسے زندگی کا فلسفہ سمجھاتے تھے۔

اب وہی پھول سراپا انتظار بنے اداس، چپ اور بے قرار چپکے چپکے اندر جھانک رہے تھے۔ وہ کتاب سینے پر دھرے دھرے کرسی پر جھولتی آنکھیں موندے نجانے کس گیان دھیان میں مصروف تھی۔ ہوا کا جھونکا سامنے میز اور کھڑکی کی چوکھٹ پر خشک پھول پتے بکھرا گیا تھا۔

امید کا سایہ ہے، نہ رستہ ہے، نہ منزل
ہم کتنے اکیلے ہیں محبت کے سفر میں

زوار نے کتاب کھینچ لی تھی۔ کلکی نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں مٹیالا سا غبار چھایا تھا۔

"کہاں کھوئی ہو؟"

وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔ نگاہوں کی گرفت میں خشک و زرد پھول آگئے۔ وہ ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھے گئی۔ زوار اس کے سامنے میز پر ذرا کی ذرا ٹک گیا پھر اس کا سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"کیوں مہاتما بدھ کی طرح ساکت ہو گئی ہیں محترمہ۔"

"یوں ہی کچھ سوچ رہی تھی۔" اس نے مٹھی بھر کے خشک پھول کھڑکی سے باہر پھینک دیئے اور ہاتھ سے میز جھاڑنے لگی۔

"کاش اس بے معنی سے انتظار کو بھی اپنے دل سے یوں ہی جھاڑ سکو تم۔"

اس کا ہاتھ تھم گیا۔ اس نے سلگتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بے معنی۔۔۔ اب تم بھی یہ کہو گے زوار؟" اس کے لہجے میں دکھ کی ہلکی ہلکی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

"تو کیا کہوں۔ جس رشتے کا کوئی نام نہ ہو اسے۔۔۔"

"نام تو ہے۔" کلکی نے تیزی سے بات کاٹی۔ "یہ نام دیا تھا نا پھوپھو نے اس رشتے کو۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جس میں سلمان کے نام کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ زوار نے ایک نظر انگوٹھی پر ڈالی اور کتاب کے صفحے پلٹتے ہوئے بولا۔

"اب تو وہ زندہ نہیں رہیں جن کی وجہ سے رشتہ قائم ہوا تھا۔"

"جس کے ساتھ قائم ہوا تھا، وہ تو زندہ ہے نا۔" اس نے برجستہ کہا۔

"کلکی تم۔۔۔" اس نے جھنجلا کر کتاب میز پر پٹخی اور کھڑا ہو گیا۔ کتاب میں سے پھسل کر دو نیلے لفافے نیچے جا گرے۔ وہ جھکا مگر کلکی نے اس سے پہلے ہی اٹھا لیے تھے۔ زوار نے سیدھے ہوتے ہوئے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں گھسائے اور لب بھینچ کر اس کی طرف دیکھا۔

"ان دو خطوں کے سہارے کتنی مسافت طے کر پاؤ گی تم۔"

وہ خاموشی سے خطوں کو گھورتی رہی۔ زوار بری طرح جھنجلا گیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کلکی! کیسا یقین ہے یہ تمہارا جو تمہیں تھکنے نہیں دیتا۔ تم سائے کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔ وہ شخص ان دس سالوں میں محض دو لفافے تمہارے ہاتھ میں تھما کر بری الذمہ ہو گیا اور تم آنکھیں بند کر کے اس کے بتائے رستے پر چلتی جا رہی ہو۔ کبھی سوچا تم نے کیا انجام ہو گا تمہاری اس عجیب و انہونی محبت کا اور تمہارا۔"

کلکی نے دونوں لفافے کسی مقدس صحیفے کے اوراق کی طرح سنبھال کر کتاب میں رکھے پھر اس کی طرف پلٹی تو اس کی آنکھوں میں الوہی محبت کے چراغ

جل رہے تھے۔

"میں تو اتنا جانتی ہوں کہ محبت ابتدا سے سفر میں ہے اور انتہا تک سفر میں رہتی ہے۔

نہ ہمسفر بھولتا ہے' نہ نشان منزل۔
ہر آنکھ اس کی آنکھ بن جاتی ہے۔
ہر آواز اس کی آواز لگتی ہے۔
ہر صورت میں اس کی شبیہ اتر آتی ہے۔
محبت وہ عذاب ہے جس سے کبھی نجات نہیں ملتی۔
جو کبھی تھا۔ اب بھی ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔
یہی زندگی کا عروج ہے اور یہی زوال۔

زوار ششدر سا کھڑا اس کی مدھم آواز سنتا رہا۔

"ککی! اسے دیکھے اور جانے بنا ہی۔"

"ہاں' اسے دیکھے اور جانے بنا ہی۔" وہ دھیمے سے ہنسی۔

وہ اس کے لہجے کی شدت سے خوفزدہ ہوا تھا' تب ہی قصداً ہنس کر اس نے ماحول کا بوجھل پن کم کرنے کی کوشش کی اور کان کھجاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"یہ محبت کی کون سی قسم ہے یار؟"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

"ہم تو بس یہ چاہتے ہیں ککی! کہ تم خوش رہو اور زندگی کے کسی لمحے میں تمہیں اپنے جذبوں کے رائیگاں جانے کا افسوس نہ ہو۔ وقت تمہارے ہاتھوں میں دکھ کی کوئی لکیر نہ کھینچ دے۔ تمہاری آنکھ میں آنسو ہوں یہ ہم میں سے کوئی بھی برداشت نہیں کرپائے گا۔" اس کے پرخلوص لہجے پر ککی پلٹی۔

"تو پھر یہ سب کیا کر رہے ہو تم لوگ۔ کیا سمجھتے ہو کہ تم لوگوں کا یہ عمل میری آنکھ میں آنسو کی جگہ خوشی بھر دے گا۔"

"ہم سب تمہارا بھلا چاہتے ہیں ککی! تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"خوش۔" وہ مضطرب سی ہنسی ہنس دی۔ "میرے لیے خوشی بس سلمان ہے زوار!" اس کے قطعی لہجے پر

زوار ٹھٹھک گیا۔

"اتنا آگے مت جاؤ ککی! کہ واپس ہی نہ پلٹ سکو۔" وہ ڈر گیا تھا۔

"زوار.....! بہت بدقسمت ہے وہ شخص جس کا انتظار کرنے والا کوئی نہ ہو۔ میں یہ بدقسمتی سلمان کے حصے میں نہیں آنے دوں گی۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ وہ آجائے گا۔"

زوار کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ جبکہ وہ ہوا کے سینے پر خیال کی روشنائی سے ایک اور سندیسہ لکھ رہی تھی۔

"شام ہو جائے تو مسافر گھر لوٹ آتے ہیں' سلمان احمد صدیقی۔ اس سے پہلے کہ ان راستوں کو رات نگل جائے اور ان راستوں پر دیوں کی طرح روشن یہ آنکھیں بجھ جائیں ہم بھی لوٹ آؤ۔"

......*

"اگر تم واقعی نہ آئے سلمان احمد صدیقی تو۔"

اک خدشہ سا اس کے اندر جاگ کر اس کے دھڑکتے دل کو سہما گیا۔

"میں نے جو اپنی عمر کے اتنے سال تمہارے انتظار کی راہ میں رل دیے۔ اگر وہ رائیگاں چلے گئے تو..... تو کیا ہو گا؟ رائیگانی کا یہ احساس تو مجھے مار ڈالے گا سلمان۔ اور یہ سب لوگ..... یہ سب میرے اپنے ہیں۔ میرے لیے پریشان ہوتے ہیں۔ میں کب تک ان کی محبتوں سے منہ موڑے تمہاری راہ تکتی رہوں گی۔ میں ان محبتوں کے سامنے ہار گئی تو تم کیا کرو گے سلمان۔"

"ککی آپا!" رمنا نے پکارا تو اس کا ڈولتا وجود ساکت ہوا۔

"ہوں۔" آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

"آپ کو ابو بلا رہے ہیں۔"

"ابو۔" اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

"خیریت تو ہے نا۔"

"پتا نہیں۔ میں ادھر آرہی تھی تو جاجی نے بتایا تھا۔" وہ اچک کر جھولے پر بیٹھی۔

ککی سوچوں میں الجھتی اندر آگئی۔

"جاجی! ابو کہاں ہیں؟" اس نے کچن سے نکلتے جاجی سے پوچھا۔

"صاحب اپنے کمرے میں ہیں بلکہ باقی لوگ بھی ادھر ہی ہیں۔"

"باقی لوگ بھی۔" کسی انہونی کے خیال سے اس کا دل ذرا سا سہم گیا تھا۔ وہ قدم قدم چلتی ابو کے کمرے میں آگئی۔ امی اور تائی اماں متفکر سی بیٹھی تھیں۔ زوار اسے دیکھتے ہی نجانے کیوں ابو کی الماری کھنگالنے لگا تھا۔

"آؤ بیٹا! تحریم بیٹھو۔" ابو نے خوشدلی سے کہا اور اپنے پاس بٹھالیا۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا ابو۔"

"ہاں۔" وہ کسی سوچ میں ڈوبے پھر پوچھنے لگے۔

"اسکول کیسا چل رہا تھا تمہارا۔"

"ٹھیک چل رہا ہے۔" اس نے دھیان سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"ہونہہ۔" وہ پھر کسی سوچ میں الجھے۔ ککی کو اس خاموشی سے وحشت سی ہونے لگی۔

"آپ کی امی نے رائے مانگی تھی تم سے۔ ککی بیٹا! تم نے جواب ہی نہیں دیا۔"

"کس بات کا؟" اس کی نظریں امی کی طرف اٹھیں۔ وہ نظریں چرا گئیں۔

"تایا جان اسد کے پرپوزل کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔" زوار نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر وضاحت کی۔ دفعتاً اسے احساس ہوا کہ یہ سب لوگ اس کی رائے نہیں پوچھ رہے ہیں۔ اس کے گرد ایک ان دیکھا جال بن رہے ہیں۔ ایک ایسی بات' جو ابو کو امی یا تائی جان کے ذریعے کرنا چاہیے تھی' وہ خود پوچھ رہے تھے۔

"ابو! میں نے تو....." وہ کہنا چاہتی تھی کہ اس نے جواب دے دیا تھا مگر ابو بول اٹھے۔

"دیکھو بیٹا! ہم نے پہلے ایک فیصلہ کیا تھا تم سے پوچھے بغیر۔ ہمیں تسلیم کہ وہ فیصلہ غلط تھا۔"

"غلط تھا۔" ککی نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"بھئی سچ پوچھو تو اسد ہمیں پسند ہے اور وہ تمہیں خوش رکھے گا اس کا تو ہمیں یقین ہے۔ تمہاری امی کہہ رہی تھیں' تم انکار کر دو گی۔ بھئی' میں نے کہا۔ تحریم میری بیٹی ہے۔ وہ ہمارے فیصلے سے انکار کر ہی نہیں سکتی' اس لیے ہم نے سوچا ہے کہ کل اسد کے گھر والوں کو ہاں کہہ دیں۔ کیا خیال ہے تمہارا تحریم! ہم نے ٹھیک کیا نا؟"

ککی کی شکوہ کناں نگاہیں ماں کے چہرے سے ہو کر زوار کے چہرے پر جم گئیں۔

"بڑا ہی عجیب جال بنتے ہو تم لوگ۔ پر کاٹ کر طاقت پرواز دیتے ہیں۔ پاؤں زنجیر کرتے ہو' راستے کھول دیتے ہو۔ منزل دکھا کر راستے مسدود کرتے ہو۔ کیسے ظالم ہو تم لوگ۔"

"تو پھر تحریم بیٹی! کل ہم ان کو ہاں کہہ دیتے ہیں۔"

وہ یوں پوچھ رہے تھے جیسے کسی اور کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ وہ زبردستی اس پر اپنا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش کرتے تو شاید وہ ضد میں آجاتی۔ پر ان کے لہجے میں تو پیار تھا' مان اور اعتبار تھا اور والدین جب اولاد کے پیروں میں اپنے اعتماد کی بھاری زنجیر ڈالتے ہیں تو پھر وہ ہل نہیں سکتے۔

اس نے بھی چپ چاپ وہ ادھورا خواب ان کے پاس رہن رکھوا دیا تھا اور اس کے بدلے اس کو کیا ملا تھا؟

وہ قدم قدم چلتی باہر آگئی۔ جھولا خشک پتوں سے بھر گیا تھا۔ وہ اس پر دراز چمکتے نیلے آسمان کو دیکھنے لگی۔ آج بھی آلوچے کی خشک برہنہ شاخ آسمان کو دو حصوں میں تقسیم کر رہی تھی۔

آسمان تقسیم نہیں ہوتا' نظر تقسیم ہو جاتی ہے۔ محبت بھی تقسیم ہوتی' بس یوں ہی کبھی خشک ٹہنی درمیان میں آجاتی ہے۔ کئی خشک پتے اس کے چہرے سے ٹکرائے۔

"سلمان احمد صدیقی! اس شخص سے بڑھ کر کوئی بدنصیب نہیں' جس کا کوئی انتظار کرنے والا نہ ہو۔ میں

یہ بدنصیبی تمہارے حصے میں لکھنا نہیں چاہتی تھی پر تم نے بہت دیر کردی۔ یہ سوچے بغیر کہ جب شام اپنے رنگ دھرتی پر بکھیرتی تھی' جب درختوں کے سائے لمبے ہوتے تھے تو کوئی تھا جو تمہارے رستوں پر دیے جلایا کرتا تھا کہ اندھیرا گہرا ہوجائے تو رستے مسدود ہوجاتے ہیں۔ پر وہ سارے دیے ایک ایک کرکے بجھ گئے۔ اب تم کیسے دیکھو گے؟

اور لو وہ بھی گیا۔۔۔"

۔۔۔۔*

"صبح سے فون ملا رہی ہوں اسد کے گھر کا۔ لگتا ہے کوئی گھر میں ہی نہیں ہے۔" امی بڑبڑاتی ہوئی آئیں اور تائی اماں کے پاس بیٹھ گئیں۔

"شام کو کرلینا۔"

تب ہی جاجی سر پر ٹوکرا رکھے برآمد ہوا۔

"جاجی اس میں کیا ہے؟" امرود کے درخت پر ٹنگی رمنا نے پوچھا۔ وہ نیچے کھڑے امرود اتار رہی تھی۔

"مالٹے منگوائے تھے صاحب نے۔"

"تو اتنے ڈھیر سارے منگوانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں جتنی بچت کرتی ہوں' یہ اتنی ہی فضول خرچی کرتے ہیں۔"

"بیگم صاحبہ رکھ دوں۔"

"ظاہر ہے رکھنے ہی ہیں' باہر تو اب پھنکوانے سے رہی۔" امی کو اس فضول خرچی پر غصہ ہی آگیا۔ فون کی بیل سن کر بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں۔ جاجی نے ٹوکرا گھاس پر رکھ دیا۔

"یہ سمانہ کہاں ہے؟" تائی اماں نے پوچھا۔

"مٹر کے پودے سے لٹکی ہوگی یا گوبھی کے پھول پر استراحت فرما رہی ہوگی یا ہوسکتا ہے گاجر سمیت زمین میں دھنس گئی ہو۔" رمنا نے امرود دانتوں سے کترتے ہوئے کہا۔

"سمانہ! او سمانہ!" تائی اماں نے پکارا۔ وہ بیچ بیچ وہیں سے برآمد ہوئی تھی۔

"جی تائی جان۔"

"بیٹی! ذرا یہ مالٹے تو گن لو۔"

"پورے ہی ہوں گے تائی جان۔"

"ارے پورے نہیں ہوں گے۔ ہر دفعہ وہ باغ والا دس بیس کم ہی ڈالتا ہے۔"

"تو پھر دس بیس کم ہوں گے۔"

"تم مت گننا۔" انہیں غصہ آگیا۔

"جاجی! او جاجی!" سمانہ نے وہیں کھڑے کھڑے آواز لگائی۔

"جی۔"

"یہ مالٹے گنو۔" حکم صادر ہوا۔ جاجی پھسکڑا مار کر گھاس پر بیٹھا پھر قدرے پریشانی سے بولا۔

"پر مجھے تو بیس سے آگے گنتی ہی نہیں آتی۔"

"کوئی بات نہیں بیس بیس کرکے گن لو۔" سمانہ نے کہا۔ تائی اماں اسے گھورتے ہوئے اندر چلی گئیں۔ سمانہ نے کرسی پر دھرا ناول اٹھایا۔

"ایک امرود تو دینا رمنا۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیچ کرو۔"

سمانہ نے کیچ کرنا تو چاہا پر وہ اس کے سر سے تین فٹ کے فاصلے سے ہوتا ہوا کچن کی کھڑکی سے گزر کر نجانے کس برتن سے ٹکرایا تھا۔

"تمہارا نشانہ بہت کمال کا ہے۔" سمانہ نے پلٹ کر اسے گھورا۔

"پھر تو مجھے پاکستانی کرکٹ ٹیم میں شامل ہوجانا چاہیے۔" وہ ڈھٹائی سے ہنسی۔ جواباً سمانہ سر جھٹک کر ناول کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یہ جی ہوگئے آٹھ دفعہ بیس۔" بہت دیر میں جاجی نے سر اٹھایا۔

"رمنا! او رمنا! کیا درخت پر ہی سو گئیں۔" بہت جھنجلا کر پوچھا گیا تھا۔

"نہیں جاگ رہی ہوں۔"

"یہ آٹھ دفعہ بیس کتنے ہوتے ہیں؟"

"آٹھ کا پہاڑہ پڑھ لو نا یار۔"

"ہاں۔ پر رمنا آٹھ کا پہاڑہ تو بس دس تک ہوتا ہے۔ میں نے تو بیس تک یاد نہیں کیا۔" وہ قدرے

پریشان ہوئی۔ "تم نے کیا تھا؟"

"نہیں۔ تو ایسا کرو نا' بیس کا پہاڑہ پڑھ لو آٹھ تک۔" رمنا نے مشکل آسان کی۔

"مگر رمنا! پہاڑے تو بس سولہ تک ہوتے ہیں۔" سمانہ کچھ اور پریشان ہوئی۔

"افوہ! تو بیس کو آٹھ سے ضرب دے لو۔"

"تو اس کے لیے بھی تو آٹھ کا پہاڑہ پڑھنا پڑھے گا اور وہ میں بھول چکی ہوں۔" وہ جھنجلا کر بولی پھر جاجی کی طرف پلٹی۔ "اٹھاؤ ٹوکرا اور اندر رکھ آؤ۔ تائی اماں سے کہنا پورے ہی ہیں۔"

اس نے مسئلہ حل کیا۔ جاجی ٹوکرا اٹھا کر چلا گیا۔ تب ہی لکڑی کا بڑا سا گیٹ نما دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ سمانہ نے کچھ لمحے جاجی کا انتظار کیا پھر رمنا سے بولی۔

"رمنا! دیکھو ذرا کون آیا ہے۔"

"میں اترنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے صاف انکار کیا۔ سمانہ اسے گھورتی ہوئی اٹھی۔

"تمہیں دیکھ کر تو اس بات پر یقین آجاتا ہے کہ۔۔۔" اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔ "انسان پہلے بندر تھا۔"

"جی کیا کہا آپ نے۔" آنے والا بھونچکا رہ گیا۔

"افوہ! میں نے کچھ نہیں کہا۔ آپ نے جو بھی کہنا ہے کہیے۔"

"جی یہ ابصار احمد صدیقی کا گھر ہے؟" وہ سنبھل کر بولا۔

"آپ کچھ پڑھے لکھے ہیں۔" اس نے سرتاپا نووارد کا جائزہ لیا۔ بلیک پینٹ' بنی کلر کی شرٹ میں ملبوس' ایک ہاتھ میں سفری بیگ تھامے' وہ خاصا اسمارٹ اور ڈیشنگ پرسنیلٹی کا مالک تھا۔

"نظر ٹھیک ہے آپ کی؟" سمانہ نے اس کی سیاہ خوبصورت آنکھوں کو سرسری انداز میں دیکھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔" اب کے اس نے کڑے تیوروں سے سمانہ کو گھورا تھا۔

"یہ سامنے لگی نیم پلیٹ پر کیا لکھا نظر آرہا ہے آپ کو۔" اجنبی کچھ مانوس سا لگ رہا تھا۔

"افوہ۔" اس نے جھنجلا کر سمانہ کو دیکھا۔ "میں یہ پوچھ رہا ہوں۔ ابصار صاحب گھر پہ ہیں۔"

"تو یوں پوچھیں نا۔ وہ گھر پہ نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ پائے داوے آپ ہر اجنبی سے یوں ہی بے تکلف ہوتی ہیں۔" اس نے سرتاپا سمانہ کو دیکھا تھا۔ سمانہ تو سلگ ہی اٹھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔ کون سی بے تکلفی دکھائی ہے میں نے آپ کو؟"

"میں تو یہ کہہ رہا تھا۔۔۔"

"آپ جو بھی کہہ رہے تھے۔ ابو اس وقت گھر میں نہیں ہیں' آپ بعد میں آئیے گا۔ ویسے بھی وہ ہر ایرے غیرے سے ملنا پسند نہیں کرتے۔" اس نے ترخ کر کہا تھا۔

"ایرا غیرا' دیکھیں محترمہ میں۔۔۔"

"میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔" محترمہ نے بگڑ کر دروازہ بند کرنا چاہا۔ اس نے ہاتھ رکھ کر روکا تھا۔

"آپ میری بات تو سنیں۔" وہ کچھ جھنجلا کر اور کچھ بگڑ کر بولا تھا۔ "اب میں یہاں سڑک پر کھڑا ہو کر۔۔۔"

"سڑک پر کھڑے ہو کر انتظار کریں یا کہیں اور۔ میری بلا سے۔" وہ دھاڑ سے دروازہ بند کرکے پلٹی ہی تھی کہ دروازہ اسی رفتار سے کھلا تھا اور دوسرے لمحے وہ اندر تھا۔ سمانہ بھونچکی رہ گئی۔

"ارے بات سنیں۔ اندر کہاں جارہے ہیں۔ ارے رکو تو۔ جاجی۔۔۔ جاجی۔"

رمنا نے بڑی حیرت سے یہ منظر ملاحظہ کیا۔ آگے آگے ایک اجنبی نوجوان بیگ پکڑے ہوئے تھا اور اس کے پیچھے سمانہ بی بی چلاتی ہوئی آرہی تھیں۔

"ڈ۔۔۔ ڈاکو۔" رمنا نیچے لڑھک جانے کو تیار تھی۔ پر فی الفور بے ہوش ہوجانے کا ارادہ ملتوی کیا۔ ہاتھ میں پکڑا امرود تولا اور تاک کر اجنبی ڈاکو کے سر کا نشانہ لیا۔ نشانہ تو سرکا لیا تھا پر جاکے ٹخنے پر لگا۔

"اف۔۔۔" اجنبی کے ہاتھ سے بیگ چھوٹا اور دوسرے لمحے وہ ٹخنا ہاتھ میں پکڑے ایک ٹانگ پر

بریک ڈانس کرنے لگا تھا اور اس ایک ٹانگ کے ڈانس کی زد میں آنے سے بچنے کے لیے سمانہ کبھی ایک طرف تو کبھی دوسری طرف ہو رہی تھی۔ رمنا نے تیزی سے شاخ پر کوئی بچا کھچا امرود ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ تب ہی اس نے تختا چھوڑ کر شعلہ بار نگاہوں سے رمنا کو گھورا۔

"نیچے اترو، بندریا نہ ہو تو۔"

"تم نے مجھے بندریا کہا۔" رمنا چیخی جبکہ نیچے اترنے کا رسک بہرحال اس نے نہیں لیا تھا۔

"ہاں کہا ہے۔" وہ تیورا کر درخت تک آیا۔ دوسرے لمحے بندریا لڑھک کر درخت سے نیچے اتری۔ شاید مارے ڈر کے لڑھک گئی تھی۔

"اگر میری آنکھ پھوٹ جاتی تو۔" وہ غصے میں دہاڑا۔

"آپ کی آنکھ تختے پر لگی ہے؟۔" بہت ڈرتے ہوئے پوچھا گیا تھا۔

"اس گھر میں کوئی معقول انسان بھی رہتا ہے۔" اس نے غضب ناک انداز میں دونوں کو گھورا تھا۔

"ہاں جی میں رہتا ہوں۔" جاجی ابھی ابھی نکلا تھا۔ گردن اکڑا کر بولا۔

"اس نے معقول انسان کہا ہے۔" سمانہ نے اسے گھورا۔

"پر جی یہ ہیں کون؟" جاجی نے پوچھا۔

"اُفوہ! آپ ہیں کون۔؟" سمانہ جھنجلا کر اس کی طرف پلٹی۔

"میں..... میں سلمان احمد صدیقی ہوں۔"

"جی...." جو جہاں تھا وہیں ساکت ہو گیا۔

"کیا ہوا آپ لوگوں کو؟" اس نے حیرت سے سب کو دیکھا۔

"آ... آپ واقعی سلمان ہیں۔" رمنا نے انگلی اٹھا کر تعجب سے پوچھا۔

"ہاں!"

دوسرے لمحے وہ سرپٹ اندر کی طرف بھاگی۔ سلمان نے پلٹ کر سمانہ کو دیکھا، وہ یوں ہی ساکت کھڑی تھی۔

"اے مس۔" سلمان نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی۔ تب اس کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی۔

"تو آپ واپس آ ہی گئے۔" وہ ایک طویل سانس کھینچ کر بولی۔ سلمان اس کے عجیب سے لہجے سے خائف ہو کر جواب دینے کے بجائے ادھر ادھر جھانکنے لگا۔

"اکیلے ہی آئے ہیں؟" اب کے وہ ذرا مسکرائی تھی۔

"کیا کسی اور کو بھی آنا تھا۔" اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی پھر اس کے پاس آ کر بڑے شاہانہ انداز میں بولی۔

"مسافر! تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم اتنی دیر سے کیوں آئے ہو۔ ہاں یہ اطلاع ضرور دی جاتی ہے کہ بہت وقت پر آئے ہو۔"

"اچھا۔" سلمان نے اپنے سامنے کھڑی سنہری رنگت والی لڑکی کو دلچسپی سے دیکھا۔ اس کی ڈارک براؤن آنکھیں مسکرائی تھیں۔

"ویسے ہم سب آپ سے سخت خفا تھے۔ پورے پانچ سال گزر گئے آپ کے آخری خط کو آئے ہوئے۔ ہمارے کسی خط اور فون تک کا جواب نہیں دیا تھا۔" وہ مسکراتی آنکھیں خفا ہو کر کچھ اور حسین ہو گئی تھیں۔

"شکریہ۔" وہ مسکرایا۔

"کس بات کا۔" وہ حیران ہوئی۔

"اس اطلاع کا کہ میرا آپ کا رابطہ ٹوٹے پانچ برس گزر گئے ہیں۔"

"آپ شاید مذاق کر رہے ہیں۔"

"شاید نہیں 'یقیناً'۔" وہ کھل کر ہنسا تھا۔ "کیا یہیں کھڑا رکھیں گی مس....."

"سمانہ... آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟"

"آپ نے کب پہچانا تھا، میں۔"

تب ہی دونوں خواتین افتاں و خیزاں لپک کر آئیں۔

"سلمان بیٹا۔" اور دوسرے لمحے وہ دونوں اس کے ساتھ لگیں زار و قطار رو رہی تھیں۔

"یا خدا!" اس نے گھبرا کر سمانہ کو دیکھا۔ وہ لپک کر آگے آئی اور سمجھا بجھا کر الگ کیا اور سلمان کی تھکن کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا جیسے وہ امریکہ سے یہاں تک پیدل آیا ہو۔ جاجی نے اس کے ہاتھ سے بیگ لیا اور وہ ان سب کے جلو میں ڈرائنگ روم تک پہنچا۔ جاجی کو دوڑایا گیا کہ ابصار صاحب جہاں کہیں بھی ہیں انہیں ڈھونڈ کر لاؤ۔

"بیگم صاحبہ! مسجد میں اعلان کروا دوں۔" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں کروا دو۔" بیگم صاحبہ سلمان سے امریکہ کا حال سننے کو بے تاب تھیں۔

سمانہ نے لمبی چوڑی لسٹ تھما دی سودا سلف کی۔ خود وہ دونوں بہنیں کچن میں گھس گئیں۔

ککی جب اسکول سے لوٹی۔ وہ سب کے ساتھ کھانے کی ٹیبل پر موجود تھا۔

"ککی آپا! پہچانیں ذرا کون آیا ہے۔" رمنا چہک کر بولی۔ ککی نے سب کے چہروں پر کھلتے خوشی کے رنگوں کو دیکھا پھر اجنبی مہمان کو، پھر کندھے اچکا کر سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"ارے ہمارا تو خیال تھا آپ انہیں بنا دیکھے ہی پہچان لیں گی۔ یہ سلمان بھائی ہیں۔"

ککی کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"اور سلمان بھائی! یہ تحریم ہیں ککی آپا۔" سب کی نگاہیں ان دونوں پر جمی تھیں۔ ککی کے چہرے پر حیرت مجمد تھی۔ جبکہ سلمان کے چہرے پر اپنائیت کے وہی تاثرات تھے جو سب سے ملتے وقت تھے۔

"السلام و علیکم! کیسی ہیں آپ تحریم؟" سلمان نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"آپ... تحریم..."

ککی کا دل کسی بھنور کی زد میں آیا۔

(میں تمہیں ککی کہوں گا کہ تحریم سے دوری کا احساس ہوتا ہے۔)

"ٹھیک ہوں۔" اس نے خود کو سنبھالا اور کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ سب سلمان کو مختلف ڈشیں پیش کر رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھ گود میں دھرے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔ وہ بات کرتے کرتے یوں ہی ایک نظر اس پر ڈال کر پھر دوسری طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔

*_*_*

"صبح بخیر۔"

ناشتا بناتی سمانہ چونکی۔ آسمانی رنگ کے شلوار کرتے میں ملبوس اس کا دراز قد خاصا نمایاں ہو رہا تھا۔

"ارے آپ امریکہ میں بھی یہ لباس پہنا کرتے تھے۔"

"ترس گئے تھے محترمہ! کراچی اترتے ہی پہلا کام یہی کیا تھا کہ اپنے لیے کچھ شلوار کرتے خریدے تھے۔"

"بہت اچھا کیا تھا۔ کافی جچ رہا ہے۔" اس نے سادہ سے لہجے میں تعریف کی۔

"تھینک یو۔" سلمان چلتا ہوا آیا اور لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"سب لوگ ابھی جاگے نہیں کیا؟"

"دو بجے تک تو آپ کی واپسی کی وجوہات کے بارے میں قیاس آرائیاں ہوتی رہی تھیں۔ ذرا کھڑکی تو کھول دیں۔" سمانہ نے ابلے انڈے نکالتے ہوئے مصروف سے انداز میں کہا۔ سلمان نے پلٹ کر کھڑکی کھولی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے کچن کی فضا بدل دی تھی۔ سلمان ہاتھ سینے پر باندھ کر اسے دیکھنے لگا۔ بہار کی اولین صبح کی طرح نکھری نکھری سی لڑکی تھی۔ گلابی پھول دار کرتے دوپٹے میں ملبوس کندھوں تک ترشے ڈارک براؤن بالوں کو بنانا کلپ میں قید کیے مصروف مصروف سی کتنی اپنی اپنی سی لگ رہی تھی۔

"ناشتے میں کیا لیں گے۔؟" فریج سے آٹا نکالتے نکالتے وہ چونکی۔ "ارے کہیں آپ بیڈ ٹی تو نہیں لیتے۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ دراصل ہمارے ہاں چائے بہت کم لوگ پیتے ہیں۔"

"بیڈ ٹی لیتا تو تھا لیکن اب میرا خیال ہے ناشتا تو تیار ہی ہے۔"

"آپ کے لیے بہت اسپیشل ناشتا تیار ہو رہا ہے۔" ایک چولہے پر توا چڑھائے وہ پراٹھے کے لیے پیڑا بنا رہی تھی۔ دوسری پر قیمہ چڑھایا تھا اور قیمہ بھننے کی خوشبو پورے کچن میں پھیلی تھی۔

"اچھا جی اور اس اسپیشل ناشتے میں ہے کیا؟" سلمان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"گاجر کا حلوہ' انڈوں کا حلوہ' پراٹھے' بھنا ہوا چٹ پٹا قیمہ اور میٹھی لسی۔"

"یہ اتنا کچھ آپ بنائیں گی۔ میں کچھ ہیلپ کرواؤں۔"

"آپ کیا ہیلپ کروائیں گے سلمان بھائی۔ الٹا کام بڑھائیں گے۔" اس نے قیمے پر کٹا ہوا ہرا دھنیا ڈال کر چولہا بند کیا۔

"امریکہ میں رہ کر بندہ اور کچھ ہو نہ ہو' امور خانہ داری میں ماہر ضرور ہو جاتا ہے۔"

"اچھا' انڈے پھینٹنے آتے ہیں آپ کو۔"

"جی محترمہ! میں بہت اچھا آملیٹ بنا لیتا ہوں۔"

"اچھا جی تو پھر جلدی سے آملیٹ کے لیے پیاز کاٹ دیں۔" سمانہ نے جھٹ پیاز اور چھری اس کی طرف کھسکائی۔

"پیاز۔" سلمان گڑبڑایا۔

"جی ہاں' زوار بھائی کو صبح آملیٹ نہ ملے تو وہ ناشتا نہیں کرتے۔"

"دراصل میں پیاز کے بغیر آملیٹ بناتا ہوں۔" سلمان نے سر کھجاتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"پکڑے گئے نا۔ اسی لیے تو کہتے ہیں' جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔"

"سمانہ! آپ ہنستی بہت اچھا ہیں۔" وہ بے اختیار تعریف کر گیا۔

"سلمان بھائی! سب مجھے مانہ کہتے ہیں اور یہ "آپ" کیا ہوتا ہے۔ بہت سال چھوٹی ہوں میں آپ سے۔ امی کہتی ہیں آپ زوار بھائی سے پورے دو سال بڑے ہیں اور میں ان سے تین سال چھوٹی ہوں۔"

"اف! خواتین کو چھوٹا بننے کا کتنا شوق ہوتا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"خواتین کس کو کہا ہے۔" سمانہ خفگی سے اس طرف پلٹی۔ "اور یہ حقیقت ہے۔ بے شک امی سے پوچھ لیں۔"

"اچھا بابا خفا کیوں ہوتی ہو۔ مان لیا۔"

"ویسے سلمان بھائی! آپ سے مل کر ذرا بھی نہیں لگا کہ ہم آپ سے پہلی بار مل رہے ہیں۔"

"مجھے بھی کب لگا ہے۔ ایک پل بھی محسوس نہیں ہوا کہ میں اس گھر کا فرد نہیں ہوں۔"

"آپ ہمیشہ سے اس گھر میں موجود رہے ہیں سلمان بھائی۔"

اس کے پرخلوص لہجے پر سلمان نجانے کس سوچ میں ڈوب گیا پھر سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم لوگ بہت اچھے ہو مانہ۔ نجانے بابا جان نے سب کچھ کیوں کیا۔"

"کیا؟" سمانہ چونکی تو وہ گڑبڑا گیا۔

"کچھ نہیں یوں ہی کہہ رہا تھا۔"

"پھوپھا جان کب تک آئیں گے واپس؟" سمانہ نے پوچھا جبکہ سلمان نے کھلی کھڑکی میں سے باہر جھانکتے ہوئے اس کی بات کو یوں نظرانداز کیا تھا جیسے سنا ہی نہ ہو۔ تب ہی ٹیپو آ گیا۔

"خدا کی قسم! ایسی ایسی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں کچن سے کہ مجھے آنکھیں کھولنی ہی پڑیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے مہینے بھر کا بجٹ۔" اس سے آگے نگاہ کی زد میں سلمان آ گیا تھا۔ تب ہی گڑبڑا کر بقیہ جملہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"آپ اٹھ گئے سلمان بھائی۔؟"

"ہاں' رات کو جلدی سو گیا تھا۔"

"یار مانہ! اب ناشتا دے بھی دو۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"آج ناشتا اکٹھے کریں گے۔" مانہ نے پلٹ کر اسے گھورا۔

"ہاں تو انتظار کیے لیتے ہیں۔ آج سلمان بھائی کی بدولت ہم بھی عیش۔" باقی جملہ سمانہ کی گھوری کی نذر ہو گیا۔

"میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ سلمان بھائی بہت برسوں بعد لوٹے ہیں' ان کے سنگ ناشتے کا مزا دوبالا ہو جائے گا۔"

"ہاں سلمان بھائی! کتنے برسوں بعد لوٹے ہیں آپ۔ وطن یاد نہیں آتا تھا۔" سمانہ نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"مجھے تم لوگ بہت یاد آتے تھے۔" سلمان کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔

"ٹیپو! مجھے اسکول تک چھوڑ آؤ۔ زوار تو ابھی تک سو رہا ہے۔" ککی گھڑی کا اسٹریپ بند کرتی ہوئی اندر آئی۔

"ککی آپا! آپ آج بھی اسکول جائیں گی۔" سمانہ نے تحیر سے پوچھا۔ ککی کی سرخ آنکھیں اس کی شب بیداری کی گواہی دے رہی تھیں۔

"ہاں۔" اس نے سامنے کھڑے شخص پر ایک سرسری نگاہ ڈالی۔

"ناشتا تو کر لیں۔" سمانہ عالم حیرت میں تھی۔

"اسکول میں کر لوں گی؟" وہ سپاٹ سے لہجے میں کہہ کر ٹیپو کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ککی آپا! آج آپ چھٹی کر لیتیں۔ سلمان بھائی کیا سوچیں گے۔" سمانہ نے پاس آ کر دبی زبان میں کہا۔ ککی کی نظریں بلا ارادہ سلمان کی طرف اٹھیں۔

"آپ کو پتا ہے سلمان بھائی! اس گھر میں آپ کی واپسی کا یقین صرف اور صرف ککی آپا کو تھا۔" سمانہ نے بتایا۔ ککی کا خیال تھا۔ وہ اسے اپنی نظروں کے حصار میں لے کر کہے گا۔ "مجھے معلوم ہے۔" اس کے برعکس سلمان نے چونک کر پوچھا تھا۔

"ارے کیا واقعی؟"

"ٹیپو! جلدی کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" ککی نے تیزی سے کہا اور بغیر ٹیپو کا انتظار کیے باہر نکل گئی تھی۔ سمانہ نے جیسے اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کی مگر جاجی آ گیا۔

"بیگم صاحبہ کہتی ہیں۔ آج ناشتا نہیں ملے گا۔"

"ہاں۔" وہ چونکی پھر ہاتھ میں پکڑے پیڑے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تم برتن نکالو جاجی ناشتا تیار ہے۔ سلمان بھائی آپ چلیں' میں ناشتا لگاتی ہوں۔"

ناشتا خاصا پرتکلف تھا۔ سلمان نے خوب ڈٹ کر کیا۔ پر آئندہ کے لیے منع کر دیا۔

"اتنے تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یوں بھی سادہ سا ناشتا کرتا ہوں۔ ہاں اگر یہ سب کھلانا مقصود ہے تو روز ایک ڈش بنائی جا سکتی ہے۔"

اس کے یوں کہنے سے خواتین کو خاصی تسلی ہوئی کہ لڑکا زیادہ نخرے والا نہیں ہے۔ ورنہ اس حساب سے تو گھر کا بجٹ سخت ڈسٹرب ہو جانے کا خدشہ تھا۔ ناشتے کے بعد رمنا اور سمانہ گھر کی جھاڑ پونچھ میں مصروف ہو گئی تھیں جبکہ خواتین نے سلمان کو گھیر لیا۔ رات بھی وہ تھکن کا بہانہ کر کے سو گیا تھا۔ خواتین کے تابڑتوڑ سوالوں نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا پھر بھی وہ انہیں تسلی بخش جواب دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بھائی صاحب کیوں نہیں آئے تمہارے ساتھ؟۔" تائی اماں نے پوچھا۔

"وہ بھی آئیں گے کچھ عرصے تک۔ ابھی کچھ مصروف تھے۔" وہ قدرے بے چین ہوا۔

"تو اب تم نے کیا سوچا ہے؟" سمانہ کی امی نے پوچھا۔

"کس بارے میں؟" وہ چونکا۔

"پاکستان سیٹل ہونا ہے یا واپس جاؤ گے۔ میری مانو تو یہیں بس جاؤ۔ بہت کمائی ہو گئی۔"

"آپ لوگ چاہیں گے تو کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔" سلمان نے خلوص دل سے کہا۔ دونوں خواتین بے ساختہ مسکرائیں۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کیے۔

"ہم کب چاہتے ہیں بیٹا کہ تم جاؤ۔"

"ایک بات تو بتاؤ سلمان۔" تائی اماں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔ "تم لال حویلی گئے تھے۔"

"لال حویلی۔" سلمان نے بے چینی سے پہلو بدلا پھر نظریں چرا کر بولا۔ "نہیں' میں تو سیدھا ساہیوال ہی آیا تھا۔ ملتان گیا ہی نہیں۔"

"بہت اچھا کیا۔ وہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ ان سے ملا جائے۔" تائی اماں نے تنفر بھرے لہجے میں کہا۔

"تائی جی! آپ نے کبھی کوشش نہیں کی' ان سے ملنے کی؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہم کاہے کو کرتے کوشش ان سے ملنے کی۔" تائی اماں نے تنک کر کہا۔

"بس بیٹا! انہوں نے کوئی ایسا تعلق رکھا ہی نہیں۔ اللہ بخشے تمہاری امی جب تک زندہ رہیں' ہم سے ملنے آتی رہیں۔ وہی لال حویلی کی خیریت بتا دیا کرتی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد تو سارے تعلق ہی ختم ہو گئے۔" سمانہ کی امی نے رسانیت سے سمجھایا۔

"سوتیلا سہی' پر تھا تو آخر بھائی۔ پر ایسا ہاتھ دکھایا احتشام احمد نے کہ توبہ توبہ۔ لاکھوں' کروڑوں کے مالک اس چھوٹے سے گھر میں آپڑے۔ حق دار کا حق مارا تھا۔ ساری جائیداد ہتھیالی۔ ساری عمر ابصار اور اشفاق نے انہیں بڑا سمجھ کر عزت دی' پر اس نے ثابت کر دیا۔ سوتیلا آخر سوتیلا ہی ہوتا ہے۔ پر ایک بات لکھ لو۔ کبھی نہ کبھی تو سامنے آئے گا۔ احتشام احمد کب تک دوسرے کے حق مار کر عیش کرتا رہے گا۔" تائی اماں جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

"بڑے ماموں اب اس دنیا میں نہیں رہے۔" سلمان نے دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے آہستگی سے بتایا۔

"احتشام احمد انتقال کر گئے کب؟" وہ دونوں ہی اچھل پڑیں۔

"چھ سال ہوئے۔"

"تمہیں کس نے بتایا؟" تائی اماں کا دھیان فوراً پلٹا۔

"ان کے بیٹے زنیر احمد صدیقی نے اپنے خط میں لکھا تھا۔" اس کے لہجے میں ہلکا ہلکا دکھ ہلکورے [illegible] رہا تھا۔

"تم اسے خط لکھتے رہے تھے۔" تائی اماں [illegible] مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"شروع میں تو رابطہ رہا تھا۔ بعد میں اتنی مصروف[illegible] رہی کہ۔۔۔ اور جب بابا بھی میرے پاس امریکہ آگئے بالکل ہی رابطہ کٹ گیا۔ ہم نے ملتان والا گھر بھی بیچ [illegible] تھا۔"

"کتنے بچے ہیں احتشام احمد کے اور اس کی بی[illegible] آصفہ' بڑی نیک عورت تھی۔ اپنے شوہر کے بال[illegible] برعکس۔"

"جی وہ وہیں حویلی میں ہوتی ہیں۔ ایک بیٹا ہے زن[illegible] اور دو بیٹیاں۔ بیٹیوں کی تو شادی ہو گئی تھی۔ وہ دونو[illegible] بیدہ میں ہوتی ہیں۔" سلمان نے باقی تفصیل بتائی۔ تائی جان نے ٹھنڈی سانس بھر کے سمانہ کی امی [illegible] طرف دیکھا۔

"کیسا وقت پلٹا۔ جتنا وہ سب زنیر کا ہے' اتنا ہی ا[illegible] بچوں کا بھی تھا۔ آج وہ راج کر رہا ہے اور ہمارے [illegible] دو وقت کی روٹی کے لیے ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ سب قسمت کے کھیل ہیں۔"

"یہ زوار کہاں ہے؟" سلمان کے لیے اب مز[illegible] یہاں بیٹھنا ممکن نہ تھا۔

"ہم یہاں ہیں جناب۔" زوار نے کمرے م[illegible] جھانکا۔ "کہیے کیسے یاد فرمایا جا رہا ہے ہمیں۔"

"یوں ہی' میں سوچ رہا تھا شہر کی سیر کو نکلیں۔" [illegible] کھڑا ہو گیا۔

"چھوٹا سا شہر ہے' یہاں تمہارے دیکھنے کو ک[illegible] ہو گا؟"

"دیکھنے کو ہر جگہ ہوتا ہے دوست۔ بس دیکھنے وال[illegible] نگاہ چاہیے۔"

"یہ بات ہے تو پھر چلو۔" وہ دونوں آگے پیچھے نکل گئے۔

"کتنا اچھا ہو گیا کہ سلمان آ گیا۔" امی کے چہرے [illegible] اطمینان بکھرا تھا۔

"یوں کہو کہ کتنا اچھا ہوا۔ اسد کے گھر کا فون خراب تھا۔" تائی جان ہنس دیں۔

"یہ تو واقعی بہت اچھا ہوا۔ اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو کتنی سبکی ہوتی۔"

"اب تم مناسب موقع دیکھ کر سلمان سے بات کر لو۔" تائی جان نے مشورہ دیا۔

"کر تو لوں' پر میں سوچتی ہوں بھائی صاحب امریکہ سے آجائیں تو زیادہ اچھا ہے۔ ابصار کا بھی یہی خیال ہے۔" امی نے رسان سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ پر پتا نہیں وہ کب تک آسکیں۔ مجھے تو لگتا ہے انہوں نے سلمان کو بھیجا ہی اس مقصد کے لیے ہے۔"

"اگر ایسی بات ہوئی تو وہ کوئی اشارہ تو دے گا نا۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" تائی اماں یہ کہہ کر کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

*_*_*

سلمان لان میں آیا تو سمانہ کیاریوں کو پانی دے رہی تھی۔ جبکہ ککی حسب معمول جھولے پر بیٹھی کسی کتاب کے مطالعے میں مگن تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر سلمان کو دیکھا اور پھر سے کتاب میں محو ہو گئی۔ سلمان کو یہاں آئے کئی دن گزر گئے۔ اس نے ککی کو یوں ہی دیکھا تھا۔ خاموش' چپ کبھی کتاب تو کبھی خود میں گم۔ ہاں البتہ اس کی آنکھیں بولتی تھیں۔ نجانے کیوں سلمان ان آنکھوں سے گھبرانے لگا تھا۔ متجسس' ٹٹولتی' کھوجتی سوالیہ نظریں۔

وہ سمانہ کی طرف آگیا۔ حقیقتاً اسے اپنی یہ کزن اچھی لگی تھی اور سب سے مختلف تھی۔ لاپروا و بے نیاز سا انداز' خود اعتماد' حقیقت پسند اور متحرک۔

"تم ہر وقت مصروف رہتی ہو سمانہ' اتنا کام کیسے کر لیتی ہو؟" ایک ہاتھ آم کے درخت پر ٹکا کر اس نے پوچھا۔

"یہ کام تو ہمارے ملک کی ساری لڑکیاں کرتی ہیں۔" سمانہ نے پائپ کیاری میں چھوڑا اور لاپروائی سے گویا ہوئی۔

"کیا یہ بھی۔۔۔"

"ارے یہ کام تو نہیں ہے' یہ تو میرا شوق ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ ککی نے ذرا کی ذرا کتاب سے نظریں ہٹا کر ان کی طرف دیکھا۔

"اچھا شوق ہے' لگتا ہے تمہیں پھول بہت پسند ہیں۔" اس نے کیاریوں میں گلاب اور موتیے کے پودوں کو دیکھا۔

"مجھے پھل زیادہ پسند ہیں۔" وہ ہنسی۔ "ککی آپا کو پھول پسند ہیں۔ خاص طور پر گلاب۔ یہ سب میں نے ان کے لیے لگائے ہیں۔ آپ کو بھی گلاب اچھے لگتے ہیں؟" وہ پائپ اٹھا کر اپنے پاؤں دھونے لگی۔

"تم نے اپنے لیے کیا لگایا ہے؟" سلمان نے اس کا سوال یکسر نظر انداز کر کے پوچھا۔

"یہ آم' امرود' آلوچہ' جامن' لیموں اور انار۔ یہ سب میرے لیے ہی تو ہے اور وہ دیکھیں' وہ فالسے کا پیڑ ہے۔ ذرا گرمیاں آنے دیں پھر یہ لان کم' باغ زیادہ ہو جائے گا۔ اسی لیے تو مجھے گرمیاں اچھی لگتی ہیں۔"

"اور میرے لیے کیا لگاؤ گی؟" سلمان نے اس کے متبسم چہرے پر بھرپور نگاہ ڈالی۔

"ککی آپا سے پوچھیں۔" سمانہ کی متبسم نگاہوں میں شرارت جاگی۔

"انہیں کیا معلوم میری پسند کا۔" سلمان کی نگاہیں اب اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں اور دور بیٹھی ککی کا دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔

"انہیں ہی تو معلوم ہے۔" سمانہ اس کی نگاہوں کے بدلتے رنگوں اور زاویوں سے بے خبر اپنے کام میں مصروف تھی پھر وہ نل بند کر کے ان کی طرف پلٹی۔

"آپ ذرا آپا سے پوچھ کر دیکھیں۔ میں دیکھوں رمنا کچن میں کیا کر رہی ہے۔ چھٹی والے دن ٹیپو کو بارہ بجے ہی بھوک لگ جاتی ہے۔"

سمانہ نے چپل پاؤں میں ڈالی اور دونوں ہاتھوں سے بکھرے بال سمیٹتی اندر چلی گئی۔ سلمان کی نگاہوں نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا' جبکہ ککی نے اس کی نظروں کا۔ سلمان نے پلٹ کر ککی کو دیکھا پھر اسی کی

طرف چلا آیا کہ ٹیپو اور زوار کسی کام سے باہر نکلے تھے۔

"یہ آپ کی بہن بہت عجیب لڑکی ہے۔" وہ جھولے کی بیک پر دونوں ہاتھ ٹکا کر بولا۔ ککی نے ذرا کی ذرا اسے دیکھا۔

"کچھ اتنی عجیب بھی نہیں' شاید آپ کو لگتی ہو۔"

"ہاں۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہو گیا۔ "کیا پڑھتی رہتی ہیں آپ؟"

"میں اب اے حمید کے ناول نہیں پڑھتی۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا پھر وہ عجیب سی ہو کر کتاب کا صفحہ پلٹنے لگی۔

"کیا پہلے پڑھا کرتی تھیں؟"

ککی نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

(ککی تم حیران تو ہو گی۔ پر یہ بتاؤ کیا تم اب بھی جھولے پر بیٹھ کر اے حمید کے ناول پڑھتی ہو۔)

(حیران میں تب نہیں ہوئی تھی سلمان احمد صدیقی کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا میں جھولے پر بیٹھ کر اے حمید کو پڑھا کرتی تھی۔ حیران تو میں اب ہوں کہ تمہیں یہ یاد کیوں نہیں رہا۔)

سلمان اپنے چہرے پر جمی خاموشی اور حیران آنکھوں سے خائف سا ہو کر سیدھا ہو گیا۔

"میں دیکھتا ہوں۔ شاید زوار آ گیا ہو۔"

ککی کی سلگتی نگاہوں نے اس کے جاتے قدموں کو دیکھا۔

"سلمان احمد کیا تم سچ مچ لوٹ آئے ہو اور اگر لوٹ آئے ہو تو ککی کو کہاں بھول آئے ہو۔"

......*

"آخر یہ اندر ہو کیا رہا ہے۔ دو گھنٹے ہو گئے ہیں انہیں باتیں کرتے۔" رمنا بری طرح جھنجلائی۔

"پتا نہیں' بس باتیں کرتے جا رہے ہیں۔" جاجی نے کندھے اچکائے۔ وہ ابھی ابھی چائے دے کر آیا تھا۔

"کب ختم ہوں گی ان کی باتیں۔" ٹیپو نے منہ بنایا۔ پچھلے دو گھنٹے سے زوار' سلمان اور ابصار احمد کمرے میں گھسے نجانے کون سے معاملات سلجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اب ان کی سنجیدہ باتیں ختم ہوں تو ہم اپنی غیر سنجیدہ باتیں کریں۔"

"پکنک پر جانا غیر سنجیدہ بات ہے۔" ٹیپو نے رمنا کو گھورا۔

"اگر وہ نہ مانے تو۔"

"اس میں نہ ماننے والی کون سی بات ہے۔"

"کون سی بات۔" سمانہ ایک ہاتھ میں دھنیا اور دوسرے میں ہری مرچ پکڑے وارد ہوئی۔

"ہم سلمان بھائی کے ساتھ پکنک پر جانا چاہتے ہیں۔" رمنا نے بتایا۔

"جانا کہاں ہے بڑپہ۔"

"بڑپہ چلے جائیں۔ انہوں نے کون سا بڑپہ دیکھا ہو گا۔" ٹیپو نے سر ہلایا۔

"گھر پر ارینج کر لو۔" سمانہ نے مشورہ دیا۔

"گھر میں پکنک منانے کا کیا مزا بدذوق لوگو!"

"بڑپہ میں بھی کوئی مزا نہیں ہے۔ وہی ہزاروں بار کے دیکھے ہوئے کھنڈرات۔" رمنا نے منہ بنایا۔

"اس سے اچھا ہے' باغ میں چلتے ہیں یا نہر کنارے۔"

"بات کر دیکھو۔" سمانہ کچن میں گھس گئی۔

"آؤ ابو سے بات کرتے ہیں۔" ٹیپو کھڑا ہوا۔

"لیکن وہ لوگ تو سنجیدہ گفتگو کر رہے ہیں۔" رمنا نے یاددہانی کرائی۔

"تم آؤ تو' اسی سنجیدہ گفتگو میں ہم کہیں نہ کہیں پکنک کھینچ لائیں گے۔"

وہ دونوں اندر گئے تو گفتگو واقعی سنجیدہ نوعیت کی تھی۔ وہ ایک سائیڈ پر ہو بیٹھے۔

"پارٹنر شپ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" سلمان نے اچانک پوچھا۔ زوار کے ساتھ ساتھ ابصار احمد بھی چونک گئے۔

"کیا مطلب؟"

"آخر مجھے بھی تو یہاں سیٹل ہونا ہے اور جو سرمایہ میں لے کر آیا ہوں۔ کہیں نہ کہیں تو انویسٹ کرنا ہی

ہو گا تو یہاں کیوں نہیں۔" اس نے آرام سے کہا۔

"مگر بیٹا۔" ابصار احمد متذبذب تھے۔

"کیا ہرج ہے ماموں جان۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ یہ آئیڈیا اس گھر کے حالات دیکھ کر ابھی ابھی اس کے ذہن میں آیا تھا۔

"اپنے باپ سے تو پوچھ لو بیٹا! وہ لوگ راضی ہوں یا نہیں۔"

"یہ خالصتاً میرا اپنا سرمایہ ہے۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"کیا خیال ہے زوار؟" ابصار احمد نے زوار کی طرف دیکھا۔ بہرحال سلمان کی پیش کش پُرکشش تھی۔

"میرا خیال ہے' چچا جان! اس سے اچھی آفر تو آپ کو کہیں سے نہیں ملے گی۔" زوار تو دل و جان سے راضی تھا۔

"ٹھیک ہے پھر سوچتے ہیں اس بارے میں۔" ابصار احمد نے باتیں کرتے کرتے ٹیپو اور رمنا کو دیکھا۔

"کیا بات ہے۔ تم لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

"وہ ابو! ہم یہ سوچ رہے تھے۔ جو اتنے سارے ڈالر سلمان بھائی آپ کو دیں گے' ان میں سے تھوڑے سے اگر ہمیں مل جاتے تو۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر وہ کان کھجانے لگا۔

"تم نے کیا کرنے ہیں۔" ابصار احمد نے اسے گھورا۔

"پکنک۔۔۔ وہ ہم پکنک منا لیتے سلمان بھائی کے ساتھ۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"پکنک کے لیے تمہیں ڈالروں کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہو جائے گی پکنک بھی۔"

"ہو جائے گی نا۔" ٹیپو نے ڈرتے ہوئے تصدیق کی۔

"ٹیپو!" ابصار احمد نے تنبیہی نگاہوں سے اسے گھورا۔ وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

"بس ابو! مجھے یقین آ گیا۔"

اس نے کھسکنے میں دیر نہیں لگائی۔ جبکہ ابصار احمد پھر سے سلمان کی کی گئی آفر پر غور کرنے لگے تھے۔

......*

دروازہ بے آواز کھلا تھا۔

"آجاؤ مانو!" سلمان نے فائل سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"ہیں۔ آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں آئی ہوں۔" وہ کچھ حیران سی اندر آئی۔

(میں تمہیں تمہاری آہٹوں سے پہچاننے لگا ہوں۔)

"کافی لائی تھی آپ کے لیے۔ پئیں گے؟" کوئی جواب نہ پا کر اس نے مگ ٹیبل پر رکھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ مجھے اس وقت کافی کی طلب ہو رہی ہے۔" اس نے فائل بند کر کے میز پر کھسکائی۔

"جناب یہ گھر عملاً میرے کنٹرول میں ہے۔ ککی آپا اسکول ہوتی ہیں۔ رمنا کالج' وہ تو بس آج کل چھٹیاں ہیں۔ خواتین کے خیال میں بیٹیاں جوان ہو جائیں تو ماؤں کو ریٹائرڈ ہو جانا چاہیے۔ سو یہ تو میرا فرض ہے کہ ہر کسی کی ضروریات کا خیال رکھوں۔" میز پر انگلی پھیرتے ہوئے اس نے لاپروائی سے تفصیل بتائی۔

"اور وہ بھی بن کہے۔" سلمان نے مسکرا کر کہا اور مگ اٹھا لیا۔

"ہائے داوے۔ میں کب سے تمہارے فرائض میں شامل ہو گیا ہوں۔"

"جب سے آپ آئے ہیں۔" اس نے برجستہ کہا پھر لہجہ بدل کر بولی۔ "یہ آپ نے صبح سے کیا بوریت پھیلا رکھی ہے۔ کیا ہے ان فائلوں میں۔"

"ماموں نے جو بزنس شروع کیا ہے۔ اس کی کچھ تفصیلات ہیں' وہی دیکھ رہا تھا۔"

"رمنا کو کام تھا کچھ۔ وہ بھی آج کالج چلی گئی ہے۔ میں سخت بور ہو رہی تھی۔"

"تم بور بھی ہو جاتی ہو۔" سلمان نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں میں بور نہیں ہو سکتی؟" وہ الٹا اسی سے

پوچھنے لگی۔

"بھئی تمہیں اتنا مصروف دیکھا ہے کہ میرے خیال میں تمہیں اس کے لیے وقت نہیں ملتا ہو گا۔"

"نہیں، بس کبھی کبھی کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہتا۔" اس نے منہ بنایا۔

"تو پھر تمہاری اس بیزاریت کا کیا علاج کیا جائے۔" اسے سمانہ سے باتیں کرنے میں مزا آرہا تھا۔

"باتیں کرتے ہیں۔"

"تو پھر بیٹھو۔ کھڑی کیوں ہو۔؟"

"ابھی نہیں۔ تھوڑا کام باقی ہے، میں وہ سمیٹ لوں۔ تب تک آپ بھی فارغ ہو کر لان میں آجائیں پھر باتیں کریں گے۔"

وہ چلی گئی۔ سلمان نے فائل کھول کر پڑھنا چاہا پر توجہ بھٹک گئی تھی۔

"لان ہی میں چلتے ہیں۔" اس نے خالی مگ ٹیبل پر رکھ کر اٹھنا چاہا تب ہی اس کے اندر سے کوئی پکارا۔

"یہ تم کیا کررہے ہو سلمان۔"

"کیا کررہا ہوں۔" وہ حیران ہوا۔

"تمہیں یاد ہے تم یہاں کیوں آئے تھے؟"

"ہاں، کچھ بھی نہیں بھولا ہوں میں۔ یہ بزنس اسی سلسلے کی تو ایک کڑی ہے۔"

"یہ سمانہ کس سلسلے کی کڑی ہے۔" بہت چبھتا ہوا لہجہ تھا۔

"سمانہ۔" اس نے زیرلب دہرایا اور مسکرا دیا۔ اس نے کب سوچا تھا کہ جب وہ یہاں آئے گا تو کوئی اسے اس حد تک متاثر کر جائے گا۔ "اوہ سمانہ کیا چیز ہو تم۔"

اپنے دل کے بدلتے موسموں کو دیکھ کر اس نے بے اختیار سوچا تھا پھر فائل کھسکا کر اٹھ گیا۔ فون پر نظر پڑتے ہی اسے خیال آیا کہ اسے بہت ضروری فون کرنا تھا مگر فون کے پاس ہی دونوں خواتین موجود تھیں۔ نہ جانے وہ دونوں سر جوڑے ہمہ وقت کون سی گتھیاں سلجھاتی رہتی تھیں۔ وہ سر جھٹک کر باہر آگیا کہ وہ ان کے سامنے فون کرنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

سمانہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے چپ چاپ [...] تھی۔ اس کی نگاہیں گلاب پر کھلنے والی نئی کونپلوں [...] پھسل رہی تھی۔ کندھوں تک کھلے بال ہوا کی زد [...] بے ترتیب ہو رہے تھے۔ سلمان دھیرے دھیرے [...] ہوا اس کے قریب آیا۔ اس پر جھکی شاخ تھام کر [...] سے چھوڑی۔ اس نے اپنے پتے فراخ دلی سے سما[...] لٹا دیے۔ تب ہی وہ چونکی۔

"کس کو سوچا جارہا ہے؟" اس نے دانستہ [...] "کس" استعمال کیا تھا اور دل ہمک کر کہہ رہا تھا [...] کہہ دے "آپ کو۔"

"کچھ خاص نہیں۔ بس دیکھ رہی تھی کہ بہار آ[...] والی ہے۔"

"ہاں۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر سیڑھیوں پر [...] گیا۔

"ابھی کچھ دنوں میں یہ ساری کیاریاں گلاب [...] پھولوں سے مہک اٹھیں گی۔ بہت خوبصورت من[ظر] ہوتا ہے۔ ککی آپا تو پھر گھنٹوں یہیں سرخ گلابوں [...] سنگ وقت بتا دیتی ہیں۔"

"تم نے ایم اے میں ایڈمیشن کیوں نہیں لیا۔" اسے ککی آپا کے تذکرے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"بس گریجویشن کافی ہے۔ مجھے کون سا جاب کر[...] ہے۔" وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولی۔

"اور کیا کیا مشغلے ہیں تمہارے؟"

اور سمانہ کا تو ایک ہی مشغلہ تھا۔ باغبانی، پھولوں [...] پودوں کے بارے میں اس کی معلومات بے تحا[شا] تھیں۔ سو وہ بولتی چلی گئی اور سلمان کو اس کا بولنا [...] لگتا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ جب [...] لمحوں بعد اپنے چہرے پر جمی اس کی نگاہوں کا احسا[س] ہوا تو وہ ہنس دی۔

"شاید میں بہت زیادہ بول گئی۔ اب آپ کی بار[ی] ہے۔"

"نہیں، مجھے اچھا لگتا ہے۔ تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔" سلمان نے بے ساختہ تعریف کی تھی۔ سمانہ جھینپ سی گئی۔ تب ہی باہر کا دروازہ کھول[...]

ککی آئی۔ ان دونوں کو وہاں دیکھ کر وہ ٹھٹھکی۔

"السلام و علیکم ککی آپا! آپ آگئیں؟" سمانہ [...] اسے دیکھ کر معمول کا جملہ بولا تھا۔

"نہیں ابھی اسکول میں ہی ہیں۔" سلمان نے [...]ت کہا۔ سمانہ ہنس دی۔

"سلمان بھائی! آپ مذاق بھی کر لیتے ہیں۔"

"تو کیا سمجھا ہے تم نے مجھے۔" وہ خفا ہوا۔ ککی [...]پ چاپ ان کے پاس سے گزر کر اندر چلی گئی۔

"یہ اتنی گم صم کیوں رہتی ہیں؟" سلمان نے سنجیدہ [...]تے ہوئے پوچھا۔

"پہلے تو اتنا خاموش نہیں رہتی تھیں۔ آپ کے [...]نے پر تو زیادہ ہی رہنے لگی ہیں۔" سمانہ نے کچھ [...]چتے ہوئے کہا۔

"کیوں بھئی ڈرتی ہیں مجھ سے۔"

"آپ تو ان سے زیادہ بات بھی نہیں کرتے، ایسے [...]ے چلے گا۔" وہ جھنجلائی۔

"یار دراصل ان سے تھوڑا ڈر لگتا ہے مجھے۔" وہ [...]ن کھچا کر بولا۔

"آپا سے؟ اتنی کیوٹ سی تو ہیں۔ ان سے کیا ڈرنا [...]ر جناب پتا ہے آپ کو، آپ کے آنے کا سب سے [...]یا وہ انتظار آپا ہی کو تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ ٹھٹھکا

"وہ ایسے کہ۔۔۔"

"باجی! آپ کا فون ہے۔" جاجی نے آکر بتایا تھا۔

"میں فون سن لوں۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر چلی گئی۔

۔۔*

"تمہارا لوٹ آنا تمہارے انتظار سے زیادہ اذیت [...]ک ہے سلمان احمد صدیقی۔ تم دور تھے تو کتنا قریب لگتے تھے۔ تمہیں کھو دینے کا ذرا سا خدشہ بھی میرے [...]ل میں نہ جاگتا تھا۔ تم پاس ہو تو کتنا دور لگتے ہو کہ [...]یری آنکھیں تمہیں دیکھ بھی نہیں پاتیں اور جو [...]یکھیں تو محض ایک اجنبی سی شبیہہ ابھرتی ہے۔ تم [...]تنے اجنبی کیوں ہو گئے ہو سلمان! تم نے ہی تو لکھا تھا۔ "فاصلے بڑھ جائیں تو دلوں کے بندھن کمزور نہیں پڑتے۔ دوریوں کا احساس دل میں جاگزیں ہو تو انتظار مر نہیں جاتا۔" انتظار نہیں مرا سلمان احمد۔ میں تو اب بھی منتظر ہوں۔ تمہاری آنکھوں میں وہ جذبے نہیں جھلکتے جو تمہارے لفظوں میں خوشبو دیتے تھے۔ آف۔۔۔ تمہاری آنکھوں کی وہ اجنبی چمک۔۔۔ کہاں کھو گئے ہو سلمان احمد کہ مجھے بھی بھول گئے۔"

دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔"

سلمان آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ککی کو لگا وہ سانس لینا بھول گئی ہے۔

"میں نے سوچا تھوڑی دیر آپ کے ساتھ گپ شپ ہو جائے۔" وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ککی نے آہستگی سے سینے میں اٹکی سانس باہر نکالی۔

"تو اسی لیے تحریم آپ اپنے کمرے سے کم ہی باہر آتی ہیں۔ یہاں تو پوری دنیا آباد ہے۔"

اس نے گھوم کر چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر دیکھے۔

"میرا خیال ہے آپ اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ کتاب بہترین دوست ہے۔" وہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم مجھے آپ کیوں کہتے ہو۔" اس کا سوال غیر متوقع تھا۔ سلمان ٹھٹھک گیا۔

"یوں ہی۔"

"امریکہ میں کیا کرتے رہے اتنا عرصہ۔" وہی ٹٹولتی کھوجتی ہوئی سوالیہ نظریں۔

سلمان کو لگا، اس نے کمرے میں تنہا آکر غلطی کی ہے۔ کچھ تھا جو نظر نہیں آتا تھا مگر پوری شدت سے محسوس ہوتا تھا۔

"جاب وغیرہ۔ اسٹڈیز کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا۔"

"گویا بہت مصروف رہے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"جی۔ وہاں کی لائف خاصی ٹف ہے اتنی

کہ۔۔۔"
"اتنی کہ تمہیں کوئی یاد بھی نہیں آیا۔"
"کوئی کون؟" وہ بری طرح چونک اٹھا۔
"ہم۔۔۔سب۔"
"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے اپنے خشک گلے پر ہاتھ پھیرا۔ نجانے کیوں وہ خود کو بے چین سا محسوس کر رہا تھا۔
"تم کھڑے کیوں ہو، بیٹھو نا۔"
اس لمحے سلمان کو خود پر غصہ آگیا۔ وہ کیوں اس کے سامنے خود کو اتنا کمزور محسوس کرنے لگتا تھا۔ اس نے اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑے اور کھڑکی کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
"امی بہت ذکر کیا کرتی تھیں آپ کا۔" اب اس کا لہجہ پراعتماد تھا۔
"پھوپھو بہت پیار کرتی تھیں مجھ سے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اکثر صرف مجھ سے ملنے یہاں آتی تھیں۔" وہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ میز پر بہت سی کتابیں اور کاغذ بکھرے تھے۔
"اچھا؟" سلمان کو حیرت ہوئی۔
"یہ نہیں بتایا کبھی انہوں نے۔" وہ مسکرائی۔
"ہاں۔ شاید بتایا ہو اور میں بھول گیا ہوں۔" سلمان گڑبڑایا۔
"ہاں اب تم بہت کچھ بھول گئے ہو۔" اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا تھا۔ "بہرحال اب رہو گے یا واپس جانا ہے۔" اس نے میز پر سے کتابیں اٹھا کر ریک پر رکھیں اور کاغذ سمیٹنے لگی۔
"میرا ارادہ تو اب یہیں رہنے کا ہے، اسی لیے تو۔۔۔" وہ جملہ بھول گیا کہ اس کی نگاہوں کی زد میں دو نیلے لفافے آگئے تھے اور لفافے کے کونے میں لکھا انگلش میں سلمان احمد صدیقی کا نام بھی۔ کلکی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر لفافے اٹھا لیے۔
"یہ۔۔۔یہ۔" سلمان ہکلا کر رہ گیا۔
"کبھی تم نے لکھے تھے۔" اس کا لہجہ نارمل تھا۔

سلمان اچھل ہی تو پڑا۔
"میں نے۔۔۔ ارے ہاں۔" اس کے ماتھے ابھر آیا تھا۔
"تمہیں شاید یاد نہیں۔" کلکی کی شکو نگاہیں اس کی طرف اٹھیں۔
سلمان کو لگا کمرے میں گھٹن بہت بڑھ گئی کھڑا ہو گیا۔
"یاد ہے۔ میں تو اس لیے حیران تھا کہ تم تک انہیں سنبھال کر رکھا ہے۔"
"نہیں، سنبھال کر تو نہیں رکھا۔ کچھ پرانی میں پڑے رہ گئے تھے۔ آج صفائی کی تو نکل آ" کلکی کے گلے میں کچھ اٹک گیا تھا۔ "تم چاہو تو لے لو۔"
اس نے دونوں لفافے اس کی طرف بڑھائے۔
"نہیں۔۔۔ م۔۔۔ میں نے کیا کرنا ہے ان کا ہوں اب میں۔ شاید زوار آگیا ہو۔"
وہ بغیر جواب دیے کمرے سے نکل گیا۔ کلکی ہاتھ میں پکڑے لفافے دیکھے پھر تھکے تھکے انداز سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔
"یہ کیسا اچھوتا سا بندھن ہے جو تمہارے م درمیان بندھ گیا ہے۔ میں آتی جاتی ہواؤں تمہاری خوشبو چرا لیتا ہوں۔ میں جاتے موسموں تمہاری خبر لیتا ہوں۔ سورج کی کرنیں تمہیں چھو ہیں تو مجھے بتاتی ہیں۔ چاند تمہارے آنگن میں ج ہے تو مجھے دیکھ کر مسکراتا ہے۔"
"وہ سب کیا تھا سلمان۔" وہ میز پر سر رکھ کر اٹھی۔ "کاش۔۔۔"
"کاش تم کبھی لوٹ کر نہ آتے۔"

*_*_*

"تم نے سلمان بھائی کو دیکھا ہے ماتہ۔ کچھ د سے پریشان لگتے ہیں۔" دال چنتی رمنا نے اچانک اٹھا کر کہا۔
"ہو سکتا ہے امریکہ یاد آرہا ہو۔" سمانہ نے کڑ بنائی تھی۔ اب اس میں ڈالنے کے لیے پکوڑوں

ی کر رہی تھی۔ اس کا ہاتھ بڑی تیزی سے بیسن مسالے مکس کر رہا تھا۔ ابو کڑھی نہیں کھاتے تھے ن کے لیے وہ دال پکانے کا ارادہ رکھتی تھی۔
"امریکہ میں کون ہے جسے یاد کریں گے۔"
"پھوپھا جان وہیں ہیں بے وقوف۔"
"اتنے دنوں سے وہ یہاں ہیں۔ ایک بار بھی نہ پھا جان کا فون آیا اور نہ خود انہوں نے کیا۔"
"پی سی او سے کر لیا ہوگا۔ ادھر کلکی آپا الگ گم اور چپ چپ رہتی ہیں۔ میرا خیال تھا سلمان ی کی آمد پر وہ بھنگڑے ڈالیں گی۔ وہ الٹا مزید گوشہ ن ہو گئی ہیں۔"
"پہلے میرا خیال تھا وہ شرماتی ہیں مگر اب تو وہ بھی ح طور پر پریشان دکھائی دیتی ہیں۔" سمانہ کڑھائی ھاتے ہوئے بولی۔
"مجھے لگتا ہے ان دونوں کے درمیان کوئی ان بن گئی ہے۔" رمنا نے پرسوچ انداز میں کہا۔
"ان بن کیسی؟" سمانہ چونکی۔ "کبھی آپس میں ت تک تو کرتے دیکھا نہیں ہے میں نے۔"
"ہاں سارا دن تو سلمان بھائی تمہارے ساتھ لگے رہتے ہیں۔"
"کیا مطلب؟" سمانہ بری طرح چونکی اور رمنا کی طرف پلٹی۔ جبکہ وہ معمول کے انداز میں کہنے لگی۔
"تمہاری خاصی فرینڈشپ ہو گئی ہے سلمان بھائی کے ساتھ۔ تم بات کر کے دیکھو۔ کلکی آپا نے جس طرح ان کا انتظار کیا ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ اگر کوئی بات ہوئی تو وہ کلکی آپا کی طرف سے ہوگی۔"
"ہاں کروں گی۔" سمانہ الجھ سی گئی تھی۔
"خط تو انہوں نے یوں لکھے تھے جیسے کلکی آپا کے بغیر ایک پل جینا بھی دشوار ہے۔ کم از کم دیکھنے میں تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی۔"
"خط۔۔۔ تم نے وہ خط پڑھے تھے۔" مانہ نے پلٹ کر اسے گھورا۔
"ہاں۔"
"کلکی آپا کی اجازت سے۔"

"ایسی چیزیں اجازت سے پڑھی جاتی ہیں۔؟" وہ ڈھٹائی سے کندھے اچکا کر بولی۔
"شرم کرو رمنا۔" سمانہ نے سرزنش کی۔
"کر لی۔" وہ تھال کھسکا کر کھڑی ہو گئی۔ "میں نے دال چن دی ہے۔"
"بڑا احسان کیا۔" سمانہ نے جل کر کہا تو وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔ جبکہ سمانہ کا ذہن بہت سی سوچوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ جو کھانا بناتے ہوئے بھی اسے ڈسٹرب کرتی رہیں۔
سلمان نے حسب معمول کچن میں جھانکا۔ تو وہ ڈائننگ چیئر پر بیٹھی ہتھیلی پر تھوڑی ٹکائے دوسرے ہاتھ سے ٹیبل پر لکیریں کھینچ رہی تھی۔
"کچن کچھ زیادہ راس آگیا ہے تمہیں۔"
"ہوں۔" وہ چونکی پھر جھینپ گئی۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں۔"
"تو پھر بغیر کسی کام کے یہاں کیوں بیٹھی ہو۔" وہ خود بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اتنے دنوں میں وہ پوری طرح اس گھر میں رچ بس گیا تھا۔
"کچھ سوچ رہی تھی۔"
"کس کو؟" اس کے لہجے میں شرارت جاگی۔
"آپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" اس نے دونوں ہتھیلیاں میز پر ٹکا کر اس کی طرف دیکھا۔
"زہے نصیب۔" سلمان کے ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔
"آپ کی کلکی آپا سے کوئی بات ہوئی ہے۔" اس کے اچانک پوچھنے پر وہ ذرا سنبھل کر بیٹھا۔
"نہیں۔ کچھ خاص تو نہیں۔"
"وہ بہت پریشان رہنے لگی ہیں سلمان بھائی۔ جبکہ آپ کے آنے پر تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں کھلنی چاہیے تھیں۔"
"تم۔۔۔ میرے آنے پر۔۔۔" وہ متحیر سا پوچھنے لگا۔
"آپ کو نہیں معلوم سلمان بھائی! اس گھر میں جب سب لوگ آپ کے آنے کی امید توڑ چکے تھے، بس وہ تھیں جو انتظار کے دیپ جلائے آپ کی منتظر

تھیں۔ آپ کے لوٹ آنے کی دعائیں سب سے زیادہ ککی آپا کی تھیں۔ آپ کے بھیجے بس دو خط انہوں نے کسی مقدس صحیفے کی طرح سنبھال کر رکھے ہیں۔ آج تک۔"

سلمان کے اردگرد دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ ششدر سا سمانہ کو سن رہا تھا اور سمانہ کو یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ امی نے اسے سلمان سے اس موضوع پر بات کرنے سے منع کیا تھا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ ککی آپا پریشان ہیں اور ان کی پریشانی کا تعلق کسی نہ کسی طرح سلمان کے رویے سے ضرور ہے۔

"کیا کہہ رہی ہو سمانہ۔؟"

"آپ تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے آپ کو کچھ خبر ہی نہیں۔" سمانہ نے خفگی سے انہیں دیکھا۔ "پانچ سال قبل آپ کا آخری خط آیا تھا۔ اس کے بعد تو کوئی خبر ہی نہ آئی۔ پانچ سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا، وہ بھی ایک لڑکی کے لیے پھر بھی وہ ثابت قدم رہیں۔ جب ہم سب نے چاہا کہ وہ آپ کے ساتھ قائم رشتہ ختم کر کے کسی اور سے شادی کر لیں تو ککی آپا اس محاذ پر بالکل تنہا تھیں۔"

"سلمان بھائی!" سمانہ نے دھیرے سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھا۔ سلمان کو لگا اس کا ہاتھ سلگ اٹھا ہے۔ وہ اپنا ہاتھ ہٹانا چاہتا تھا مگر ہٹا نہ سکا۔ ٹکر ٹکر اپنے ہاتھ پر دھرے نازک سے ہاتھ کو گھورے گیا۔

"اب وقت آگیا ہے کہ ککی آپا کو ان کی ریاضتوں کا صلہ دیا جائے۔ وہ آپ سے محبت کرتی ہیں۔ انہوں نے بنا دیکھے، بنا جانے چاہا ہے آپ کو۔ کتنا؟ یہ میں نہیں جانتی۔ مگر وہ آپ کے بنا جی نہیں پائیں گی۔ آپ وعدہ کریں، آپ انہیں کبھی دھوکا نہیں دیں گے۔ کبھی ہرٹ نہیں کریں گے۔"

نازک سے ہاتھ کا دباؤ اس کے ہاتھ پر بڑھ گیا تھا۔ تب ہی تحریم نے کچن میں قدم رکھا۔ سمانہ کے دل میں چور ہوتا تو وہ فوراً اپنا ہاتھ ہٹا لیتی۔ اس کے برعکس وہ سلمان کا ہاتھ جھنجوڑ کر بولی تھی۔

"وعدہ کریں نا سلمان بھائی۔"

سلمان نے اس کی گرفت سے ہاتھ کھینچا اور دوسرے لمحے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر تھا۔ سمانہ بے حد حیرت سے سلمان کے طرز عمل کو دیکھتی رہی۔ تحریم بھول ہی گئی تھی کہ وہ کچن میں کیا لینے آئی تھی۔

......*

"اُفوہ! آپ یہاں ہیں اور میں سارے گھر میں آپ کو تلاش کر رہی ہوں۔" رمنا آندھی و طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ بیڈ پر نیم دراز سلمان سیدھا ہو بیٹھا۔

"کوئی کام تھا؟" اس نے سپاٹ سے لہجے میں پوچھا۔

"کوئی کام نہیں تھا لیکن آپ کچھ دنوں سے گوشہ نشیں کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی۔" وہ تشویش سے پوچھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ بس یوں ہی۔" بالوں میں انگلیاں پھنسا کر وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ اب اسے کیا بتاتا کہ ایک عجیب سے انکشاف نے اسے الجھا کر رکھ دیا ہے۔

"تو پھر چلیں، نیچے سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ گیمز کھیلیں گے۔"

"نہیں رمنا! آج نہیں۔"

"آج کیوں نہیں۔ امی، ابو سب سونے جا چکے ہیں اور میری تو شرط لگی ہے آپ کو لے کر جاؤں گی۔ اب آپ نخرے مت کریں۔"

وہ اتنے مان سے کہنے لگی تھی۔ سلمان نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ گیا۔ نیچے سب لوگ ککی سمیت لاؤنج میں جمع تھے۔

"لیں، لے آئی ہوں ان کو۔" رمنا نے کہا۔

"سلمان بھائی! کیرم کھیلتے ہیں۔" ٹیپو نے کہا۔

"یار! آج موڈ نہیں ہے۔" وہ بیزار سے لہجے میں کہہ کر ان کے پاس ہی قالین پر بیٹھ گیا۔

"موڈ ابھی بن جائے گا۔ چلو بھئی پارٹنر بناؤ۔" زوار نے کہا۔

"پارٹنر وہی ہمیشہ والے۔ میں اور ٹیپو، سمانہ اور ککی، سلمان بھائی اور ککی آپا۔"

"میں نہیں کھیل رہی۔" ککی آپا نے پارٹنر کا سنتے ہی انکار کر دیا تھا۔

"آپا کیوں؟" رمنا چلائی۔

"میں ہارا ہوا گیم نہیں کھیلا کرتی۔" اس نے متانت سے کہہ کر کتاب کھول لی۔

"لیں ابھی کھیلے تو ہیں نہیں۔ آپ پہلے ہی ہار گئیں۔" ٹیپو نے مذاق اڑایا۔

"کبھی کبھی انسان بغیر کھیلے ہی ہار جاتا ہے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا اور نظریں کتاب پر۔ سلمان ندامت سے کٹ کر رہ گیا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی ہے۔

"تو پھر پارٹنر کیسے بنیں گے؟"

"میں بھی جا رہا ہوں، سلمان اور سمانہ ہو جاؤ۔" زوار تو پہلے ہی ہارے بیٹھا تھا۔ اٹھ گیا۔

"چھوڑو یار! پھر کسی دن کھیلیں گے۔" ککی کے سامنے سمانہ کا پارٹنر بن کر کھیلنا اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ اگرچہ یہ شغل ایک کھیل تھا مگر دل میں چور ہو تو بہت سی باتیں یوں ہی محسوس ہونے لگتی ہیں۔

"نہیں ہم ابھی کھیلیں گے۔" سب کے اصرار پر اسے بیٹھنا ہی پڑا۔ ککی کی بنا پر وہ جم کر کھیل نہیں پا رہا تھا۔ وہ بھی کبھی کبھار بے خیالی میں کتاب سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھنے لگتی تھی اور جب عین آخر میں رمنا اور ٹیپو جیتنے لگے تھے۔ لائٹ چلی گئی۔

"اوہ۔" سب کے منہ سے ایک ساتھ ہی نکلا تھا۔

"میں موم بتی لاتی ہوں۔" ککی کی آواز اندھیرے میں ابھری پھر سلمان نے محسوس کیا کوئی سایہ سا اس کے پاس سے گزر گیا تھا۔ وہ تینوں زور و شور سے کھیل پر تبصرہ کر رہے تھے۔ جبکہ سلمان ان سے بالکل کٹ کر سوچ رہا تھا۔ اسے یہاں سے چلا جانا چاہیے کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا۔ اگرچہ جانا اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ ابیسار احمد سے پارٹنرشپ کی بات کر چکا تھا اور کچھ دنوں تک باقاعدہ کام بھی شروع ہونے والا تھا۔

اور پھر سمانہ بھی تو تھی۔ اس کو چھوڑ کر جانا کس قدر مشکل بلکہ ناممکن سا تھا۔ شہادت کی انگلی سے میز پر لکیریں کھینچتے ہوئے سوچیں اسے کہاں سے کہاں لے گئیں۔ اور اس کی انگلی کی جنبش سے میز کی سطح پر سمانہ کا نام لکھا جانے لگا۔ اگرچہ اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا مگر دو آنکھوں نے موم بتی کے ہلکے سے شعلے میں اس کی انگلی کی حرکت کو پڑھا تھا اور اس سے قبل کہ کوئی اور بھی پڑھتا ایک ہاتھ دھیرے سے اس کے ہاتھ پر آٹھہرا۔ عالم مدہوشی سے باہر نکلتے ہوئے اس نے جھٹکے سے گردن اٹھائی۔ دو آنکھیں اس کے عین مقابل تھیں اور ان آنکھوں میں غبار سا چھایا تھا۔

ککی نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلا کر اسے روکا تھا پھر ذرا سا جھک کر اس نے موم بتی میز پر ٹکائی اور دوسرے لمحے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

......*

گھر میں ایک دم ہنگامہ کھڑا ہو گیا تھا۔

سب حیران و پریشان بلکہ ششدر سے کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے۔

"ککی نے سلمان سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔"

جس نے سنا انگلی دانتوں تلے دبالی۔ ابو نے سنا تو بھڑک اٹھے۔ امی سارے لاڈ پیار بالائے طاق رکھے اس پر برس پڑیں۔ زوار، سمانہ، ٹیپو، رمنا سب متحیر سے اس کی شکل دیکھتے رہے اور وہ سلمان احمد، جو یہاں سے بھاگ نکلنے کی فکر میں تھا ایکدم شانت ہو گیا۔ ڈھیروں ڈھیر اطمینان اس کے اندر اتر گیا۔ بس اک احساس شرمندگی تھا۔ اسی لیے سارا وقت گھر سے باہر گزارنے لگا۔ ابھی وہ اس معاملے میں بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ گھر والے اس معاملے کو اس سے بالا ہی بالا نمٹانے کے چکر میں تھے اور سب کچھ اس سے پوشیدہ رکھا جا رہا تھا لیکن بہرحال وہ اس گھر میں رہتا تھا۔ سب کچھ کسی نہ کسی طرح اس کے علم میں بھی آجاتا تھا۔

گھر میں سخت ٹینشن تھی اور کلکی کا رو رو کر برا حال تھا۔ بس یہی رٹ تھی کہ وہ سلمان احمد سے شادی نہیں کرے گی۔ کسی صورت نہیں کرے گی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ پاگل ہو گئی ہو جو ایسی باتیں کر رہی ہو۔ جب ہم تمہیں کہہ رہے تھے کہ وہ نہیں آئے گا تب تمہاری ایک رٹ تھی کہ سلمان نہیں تو کوئی نہیں۔ اب اس میں کون سے کیڑے نظر آ رہے ہیں تمہیں۔" امی کا لہجہ غضب ناک تھا اور کلکی دھواں دار رو رہی تھی۔ زوار کو ترس آ گیا۔

"بس کریں چچی جان۔"

"ارے کیا بس کروں۔ بات سنی ہے اس کی۔ اوپر سے منہ سے کچھ پھوٹتی بھی نہیں۔ وہ اتنے سالوں بعد آیا ہے وطن شادی کے لیے، مری ماں کا کیا گیا وعدہ نبھانے کے لیے اور یہ۔۔۔"

"پلیز چچی جان! ایسے نہیں۔ ایسے بھی کوئی معاملہ سلجھا ہے بھی۔" زوار نے رسان سے سمجھایا۔

"تو پھر پوچھو اس سے کیوں کر رہی ہے یہ سب۔" وہ بھڑک اٹھیں۔

"میں پوچھتا ہوں۔ آپ پریشان مت ہوں۔ امی آپ، چچی جان کو نیچے لے جائیں۔" زوار نے چپ کھڑی تائی اماں سے کہا۔ تو وہ انہیں سمجھاتی بجھاتی نیچے لے گئیں۔ تب زوار کلکی کی طرف متوجہ ہوا۔

"لو پانی پیو۔" اس نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ کلکی نے اس کے ہاتھ سے گلاس تھام کر دو گھونٹ بھرے اور ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آنسو صاف کرو۔ سہولت سے میری بات سنو۔"

کلکی نے دوپٹے سے چہرہ صاف کیا اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کوئی میری بات نہیں سمجھتا۔"

"پہلے ایک بات تو تم سمجھ لو کہ جو کچھ تم نے کہا اس کے بعد ان لوگوں کے رویے اتنے غیر متوقع نہیں ہیں۔ تمہیں اندازہ تو ہوگا۔"

"ہاں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"تو اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہ کیا پاگل پن ہے۔"

"تم بھی اسے پاگل پن کہو گے۔" وہ شاکی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم بھی تو یوں کہتی ہو جیسے سب کچھ مجھ سے پوچھ کر یا بتا کر کر رہی ہو۔"

"بس وہ ویسا نہیں ہے جیسا میرا خیال تھا۔" نظریں چرا کر بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" زوار حیران ہوا۔

"وہ میرے آئیڈیل، میرے تصور سے بہت مختلف نکلا ہے۔"

"کتنا مختلف؟" زوار کی کھوجتی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"اتنا کہ میں اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" وہ لفظ چبا چبا کر بولی۔

"بس یہی وجہ ہے؟"

"ہاں تو کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" وہ نظریں جھکا کر بولی تھی۔

"کچھ بھی مگر یہ نہیں۔" زوار اطمینان سے بولا۔ "مجھے وہ وجہ بتاؤ کلکی جو کہ اصل میں ہے، وجہ۔ جسے میں اور گھر والے تسلیم کر سکیں۔ یہ بچوں جیسے بہلاوے مت دو ہمیں۔ تم کتنی بھی آئیڈیل سہی مگر جس طرح تم نے بغیر سلمان کو دیکھے اس کو قبول کیا تھا اور جس طرح اس کی بنا پر سارے پرپوزل ٹھکرائے ہیں۔ اب وہ جیسا بھی ہوتا تم اس کو قبول کر لیتا تھا۔ اس بات کا مجھے یقین ہے۔ وہ وجہ بتاؤ۔"

کلکی کی آنکھیں پھر سے جھلملا گئیں۔

"پلیز کلکی بتاؤ نا۔ دوست سمجھو بھائی یا کزن، تمہارے میرے درمیان ایسا رشتہ تو ہمیشہ سے رہا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ کچھ بھی شیئر کر سکیں۔ اچھا چلو۔ وعدہ رہا۔ کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

"اور میرا ساتھ بھی دو گے۔" کلکی نے پر امید نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ اگر تمہاری "وجہ" میرا ذہن و دل مان گیا تب۔" اس نے شرط رکھی اور کلکی نے دھیرے سے

پھر اسے بتا دیا کہ سلمان سمانہ میں انٹرسٹڈ ہے۔ زوار اچھل ہی تو پڑا پھر اسے ماننا ہی پڑا کہ کلکی بے وقوف تو نہ تھی کہ ایک بے بنیاد بات کرتی۔

"اگر سلمان انکار کرتا تو یہ ناممکن تھا کہ ابو اس کی شادی سمانہ سے کرتے۔ اس لیے میں نے سوچا۔۔۔"

"پھر یہ قربانی تم دے دو۔" زوار نے جملہ مکمل کیا۔

"کوئی قربانی نہیں ہے یہ۔ میں ایسے شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جس کے ذہن و دل پر کسی اور کا قبضہ ہو۔ خواہ وہ میری بہن ہو۔ جو کچھ میرے اور اس کے درمیان کبھی تھا وہ فاصلوں نے مٹا دیا۔ اب کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ میں بلاوجہ اس کے اور سمانہ کے درمیان نہیں آنا چاہتی۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔ سمانہ کو خوش رکھے گا۔"

اس نے جیسے کڑی مسافت طے کی تھی۔

"اور تم۔۔۔" زوار نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں بھی شادی کراؤں گی مگر پلیز زوار! اس بات کی کسی کو خبر نہ ہو۔ وہ سمانہ۔۔۔۔۔ وہ بہت حساس لڑکی ہے۔"

وہ ملتجی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ زوار نے آہستگی سے اس کے سر کو تھپکا پھر باہر نکل گیا۔

......*

بہت دن تک گھر میں ہنگامہ رہا مگر ہونا تو وہی تھا جو تقدیر میں لکھا تھا۔ فیصلہ ابو نے خود ہی کر دیا کہ کلکی نہ سہی سمانہ سہی۔ وہ اتنے اچھے لڑکے کو کھونا نہیں چاہتے تھے اور پھر وہ ان کی بہن کی آخری نشانی تھا۔ تائی اماں دل مسوس کر رہ گئیں۔ انہوں نے سمانہ کو ہمیشہ اپنی بہو کے روپ میں دیکھا تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ انہوں نے کبھی زوار سے ذکر نہیں کیا تھا۔

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں آپا! رمنا بھی تو آپ کی بیٹی ہے۔" امی نے تسلی دی۔

"پر وہ تو زوار سے چھوٹی ہے۔"

"چار پانچ سال کا فرق بھی کوئی فرق ہے۔"

وہ لوگ سلمان سے شرمندہ تھے اور سلمان کلکی سے۔ وہ اس سے معذرت کرنا چاہتا تھا۔ اسے سب کچھ بتانا چاہتا تھا مگر کسی مناسب موقع پر۔ ابو نے تو کلکی سے بات کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔ یہ بات جہاں کلکی کے لیے تکلیف دہ تھی، وہیں سلمان کے لیے بھی پریشان کن۔ وہ معصوم لڑکی خوامخواہ دوسروں کی ناراضگی کا نشانہ بن رہی تھی مگر ابھی وہ کسی کو اس بات کی خبر نہ دینا چاہتا تھا کہ وہ سمانہ سے محبت کرتا ہے۔ البتہ اس نے سمانہ کو یقین دلایا تھا کہ وہ اسے پہلی نظر میں اچھی لگی تھی۔ کلکی سے بھی زیادہ۔

اس نے بھی تو رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔

"میں نے سلمان بھائی کو ہمیشہ کلکی آپا کے حوالے سے دیکھا تھا۔"

"دیکھا نہیں، سوچا تھا۔ اب اسے اپنے حوالے سے دیکھ لو۔" زوار نے تصحیح کی تھی۔

سلمان چاہتا تھا کہ منگنی کا باقاعدہ اعلان ہو جائے۔ اس لیے ابو نے فیصلہ کیا کہ یکم اپریل کی شام کو منگنی کی تقریب رکھ لی جائے۔ تب ہی سب ہو اس ہنگامے میں آتی بہار کو فراموش کر گئے تھے، چونک اٹھے اور پھر زور و شور سے منگنی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے کہ فرق تو کسی کو نہیں پڑا تھا، سوائے کلکی کے۔ جس نے وہ دونوں خط پرزے پرزے کر کے بے مہر ہواؤں کے سپرد کر دیے تھے۔ اب وہ جھولے پر بیٹھ کر کتابیں نہیں پڑھتی تھی۔ بس اپنے کمرے میں بند رہتی۔

اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ باہر سبز موسموں کی آہٹیں سنائی دے رہی ہیں۔ سبز ہوائیں اپنی خوشبو ان پر لٹانے کو بے تاب ہیں۔ آلوچے کے پیڑوں پر گلابی رنگ بکھر رہا ہے۔ آنگن میں موتیے کی خوشبو رقص کرتی ہے اور یہ کہ اس کے آنگن میں پہلا سرخ گلاب کھل گیا تھا مگر وہ بے خبر تھی۔

ہوائیں اسے دیکھ کر چپکے چپکے مسکراتی تھیں۔

......*

"کس کو سوچ رہی ہو؟" وہ اس کے برابر میں بیٹھ کر بے تکلفی سے پوچھ رہا تھا۔ سمانہ چونک کر اچھلی۔

"کسی کو بھی نہیں۔"

"تو پھر کیا دم پڑھ رہی تھیں کہ خزاں جلد رخصت ہو جائے۔"

"نہیں تو۔"

"تو پھر دعا مانگ رہی تھیں کہ منگنی کا دن جلدی آجائے۔" سلمان کا لہجہ شوخ ہوا۔

"اُفوہ! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔" وہ اس کی بات سمجھ کر جھینپی۔

"مجھے تو کچھ نہیں مگر تمہیں ضرور کچھ ہوا ہے۔"

"کیا ہوا ہے؟"

"کترانے کیوں لگی ہو مجھ سے؟" سلمان سنجیدہ ہوا۔

"کب، میں تو نہیں کترا رہی۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"بات بھی نہیں کرتی ہو مجھ سے۔ میں کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو تم سامنے سے ہٹ جاتی ہو۔ یہ سب کیا ہے مانہ۔ کسی نے روکا ہے یا تم خوش نہیں۔"

"دونوں باتیں ہی نہیں ہیں۔"

"تو پھر۔" سلمان اس کے سامنے آیا۔ وہ کچھ الجھی الجھی سی لگی۔

"یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا ہے سلمان بھائی کہ میں سوچ سوچ کر۔۔۔۔"

"بھائی۔ یار! اب تو بھائی کہنا چھوڑ دو اور اگر ان سب کے بارے میں سوچنا چھوڑ کر صرف مجھے سوچنا شروع کر دو تو قسم خدا کی سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں آپ سے کچھ اور پوچھنا چاہ رہی ہوں۔" اس کے غیر سنجیدہ انداز پر وہ چڑ سی گئی۔

"پوچھو۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"آپ کو دکھ تو ہوا ہوگا ککی آپا کے رویے سے۔" سمانہ نے آہستگی سے پوچھا۔

"اف۔۔۔۔ تم ابھی تک وہیں الجھی ہو۔" سلمان سر پکڑ کر رہ گیا۔

"دیکھو لڑکی! جب میں یہاں آیا تھا تو میرا دل و دماغ بالکل صاف تھے، صاف سلیٹ کی طرح۔ نہ کوئی نقش تھا، نہ کوئی تصویر۔۔۔۔"

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔۔؟" سمانہ نے کچھ چاہا۔

"پلیز، میری بات سنو اور اس پر اعتبار کرو۔" سلمان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ سمانہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"میں جب یہاں آیا تو مجھے صرف ایک لڑکی اچھی لگی تھی۔"

"ککی آپا۔" وہ پھر سے بول اٹھی۔

"نہیں، تم۔" پھر اس کی حیران حیران آنکھوں کو دیکھ کر مسکرایا۔

"صرف تم تمہیں سمانہ جسے دیکھ کر مجھے لگا کہ میں کہیں نہیں جا سکتا اور جو احساسات میں نے تمہارے لیے اپنے دل میں محسوس کیے تھے اس سے پہلے کسی کے لیے بھی میرے دل میں نہیں ابھرے تھے۔"

"اور ککی آپا۔" سمانہ کی الجھتی نگاہیں اس کے چہرے سے ٹکرائیں۔

"میں نے انہیں دیکھا ہی نہیں۔ مجھے انہیں بھی نہیں چاہیے تھا۔" وہ مبہم سا مسکرایا۔ "میری نگاہوں نے تو صرف تمہیں دیکھنا تھا۔ اس دل کا تو تمہیں بننا تھا تو پھر میں کسی اور کو دیکھتا بھی تو کیسے اس کے لہجے میں جذبے آنچ دیتے تھے۔ دل کہتا ہے سچائی یہی ہے جو وہ کہتا ہے۔ سمانہ نے ایک طویل سانس لے کر اسے دیکھا۔

"تو گویا آپ دونوں ہی ایک دوسرے کے آئینے پر پورے نہیں اترے۔ ککی آپا کا سارا سفر رائیگاں گیا۔ عمر کے کتنے قیمتی سال انہوں نے سائے کے پیچھے بھاگتے ہوئے دھول کر دیے۔ ہم میں سے کوئی نہیں یہ سوچ سکتا تھا کہ اس کہانی کا انجام یوں ہوگا۔"

"کون جانے آنے والا وقت ہم سب کے لیے کیا لے کر آ رہا ہے۔ پلیز سمانہ! ماضی کیا تھا، یہ بھول جاؤ۔ ہم ایک دوسرے کا حال بھی ہیں اور مستقبل بھی۔ بس اتنا ہی یاد رکھو۔" سلمان نے دھیرے سے کہا تو اس کی طرف دیکھ کر قصداً مسکرائی تھی۔

*_*_*

"امی! ہم نے منگنی والے دن پہننے کے لیے نئے کپڑے خریدنے ہیں۔" رمنا نے لاڈ سے ان کا کندھا ہلایا۔

"کیوں تمہاری منگنی ہو رہی ہے۔" ٹیپو نے چھیڑا۔

"امی سلوا دیں گی نا۔" وہ ٹیپو کی بات نظرانداز کر گئی۔

"کوئی سے بھی پہن لینا رمنا! اتنے تو ہیں تمہارے پاس۔" انہوں نے ٹالا۔

"امی! سب پرانے ہیں۔ منگنی پر اتنے سارے لوگ آئیں گے۔"

"زیادہ تو نہیں، بس یہی محلے والے اور تمہارے ماموں وغیرہ ہوں گے۔"

"تو پتا ہے ماموں کی سدرہ کے پاس کتنے اچھے اچھے کپڑے ہیں اور میں وہی پرانے پہنوں گی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"فکر کیوں کرتی ہو، تمہاری منگنی پر تمہیں نئے کپڑے دلوا دوں گا۔ آخر میں بھی تو پرانی پینٹ پہنوں گا۔" ٹیپو نے تسلی دی۔

"تم تو چپ رہو۔ تمہارا کیا ہے، وہی گھسی ہوئی جینز پہن کر ہر جگہ بھگتا آتے ہو۔"

وہ چڑ کر بولی۔ تب ہی سمانہ کی فرینڈ آگئی۔

"السلام و علیکم!"

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو ارم بیٹی۔" امی نے محبت سے اس کا پھر اس کے گھر والوں کا حال احوال دریافت کیا۔

"سمانہ کہاں ہے؟" کچھ دیر کے بعد اس نے دریافت کیا۔

"لان میں ہی ہوگی۔ جاؤ رمنا، بہن کو لے جاؤ۔" امی نے کہا تو وہ ارم کو لے کر چلی گئی۔

جبکہ ٹیپو اٹھ کر زوار کے کمرے میں آگیا۔ جو گیارہ بجے اٹھ کر شیو بنا رہا تھا۔ ٹیپو دھپ سے اس کے بیڈ پر گرا اور تکیہ اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔

"خیریت ہے۔" زوار نے واش روم کے کھلے دروازے سے جھانکا۔

"ہوں۔"

"یار ٹیپو! میں منگنی پر کیا پہنوں۔" زوار نے پوچھا۔

"کچھ نہ پہنیں۔" اس نے آسان سا حل بتایا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" زوار جھینپ سا گیا۔

"لڑکیوں کی فکر تو ٹھیک مگر آپ کیوں ہلکان ہو رہے ہیں۔ کیا متوقع سسرال والے تشریف لا رہے ہیں۔" تکیے میں سے پوچھا گیا۔

"ہائے ہماری ایسی قسمت کہاں۔" سرد آہ کھینچی۔

"یوں ہی میں سوچ رہا تھا شاید اتنی ساری لڑکیوں میں سے کوئی مجھے پسند آجائے۔"

"یوں کہیے کہ شاید آپ کو کوئی پسند کرلے۔" وہ تکیہ پھینک کر بیٹھ گیا۔

"ارے مجھے پسند کرنے والے بہت۔" زوار اترا کر بولا۔

"یعنی "والیوں" کی کمی ہے۔" ٹیپو کا لہجہ شوخ ہوا۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ہر طرف سے اللہ کا فضل ہے۔ یہ بتاؤ کہ پہنوں کیا۔"

"آپ؟" ٹیپو نے سر تا پا اسے دیکھا۔ شرٹ ندارد، خالی پینٹ میں ملبوس، کندھے پر تولیہ اور منہ پر شیونگ کریم۔

"آپ یوں ہی ٹھیک ہیں۔"

اس نے اطمینان سے کہہ کر کھڑکی کھولی۔ جبکہ زوار جھنجلا کر دوبارہ واش روم میں گھس گیا تھا۔ لان میں سمانہ اپنی فرینڈ کے ساتھ مصروف گفتگو تھی۔

"پتا ہے۔ میری بھی منگنی ہونے والی ہے۔" وہ شرما کر بتا رہی تھی۔

"اف۔۔۔ کون ہے وہ بدنصیب۔" ٹیپو کے منہ سے پھسلا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ اچھل ہی تو پڑی۔

"میرا مطلب ہے خوش نصیب۔۔۔۔ کون ہے وہ خوش نصیب۔" اس نے فوراً "پینترا بدلا تھا۔

"میرے کزن ہیں، آرمی میں ہوتے ہیں۔"

"بیٹ مین ہوں گے۔" ٹیپو منہ ہی منہ میں

بدبدایا۔

"تم اپنی منگنی پر کیسے کپڑے سلوا رہی ہو۔ میں تو میرون کلر کا شرارہ سوٹ سلواؤں گی۔ مجھ پر یہ کلر بہت سوٹ کرتا ہے۔" وہ اِتھلا کر بتا رہی تھی۔

"کس احمق کی رائے ہے یہ۔" ٹیپو کی زبان پھر پھسل گئی۔ خود وہ کھڑکی سے کچھ اور باہر آیا تھا۔ سمانہ کے ساتھ ساتھ محترمہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ نظرانداز کر کے سمانہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"پاپا نے تو مجھے بلینک چیک تھما دیا تھا کہ جو چاہو منگنی کے لیے خرید لو۔ یو نو وہ بہت بڑی پارٹی ارینج کر رہے ہیں اس دن۔"

"پھر تو ہماری دعوت پکی۔" ٹیپو کا لہجہ دوستانہ ہوا۔

"آپ بھی آجائیے گا۔ پاپا کہتے ہیں ایسے موقعوں پر غریبوں کا خیال رکھنا چاہیے۔"

وہ ٹیپو کی دخل اندازی سے تنگ آکر تنک کر بولی تھی۔ ٹیپو بری طرح اچھلا۔ اس کوشش میں وہ کھڑکی سے کچھ اور باہر نکلا تھا۔

"ہیں۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم غریب ہو گئے ہیں۔"

"ہیں..... سمانہ!" ارم کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت لہرائی۔

"آپ یقین کریں۔ ہم واقعی بہت غریب ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہاں مرغ بس دو صورتوں میں پکتا ہے یا تو بندہ بیمار ہو یا مرغ۔" وہ کمال معصومیت اور دل گرفتگی سے ہانک رہا تھا اور سمانہ نظروں ہی نظروں اسے کچا کھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"واقعی سمانہ! تم لوگ اتنے غریب ہو گئے ہو۔" ارم نے پریشان ہو کر سمانہ کو دیکھا۔

"یقین کریں۔ محلے کی ساری بیمار مرغیاں اسی لیے تو ختم ہوتی جا رہی ہیں کہ ہمارے گھر کوئی بندہ بیمار نہیں ہوتا۔"

"ہیں۔ یہ ٹیپو اپنی ٹانگیں یہیں بھول گیا۔" کمرے میں لٹکتی محض ٹانگوں کو دیکھ کر زوار نے تفکر سے سوچا اور باقی ماندہ ٹیپو کو ٹخنوں سے پکڑا اور باہر لڑھکا دیا۔ لڑھکنیاں کھاتا عین لڑکیوں کے پاس جا رکا۔ وہ دونوں چیخیں بے ساختہ تھیں۔ ٹیپو اس ناگہانی آفت سنبھلا تو نظر ارم پر پڑی۔ فوراً "اپنے حواس ہوا بولا تھا۔

"میں اکثر اسی رستے سے آتا جاتا ہوں۔ تو کیا رہی تھیں آپ۔"

ٹیپو کی ٹانگ اس کے سر سے محض دو انچ کے فا پر رکی تھی۔ اس نے شرربار نگاہوں سے ٹیپو کو اور کھڑی ہو گئی۔

"چلتی ہوں سمانہ! اور ہاں....." وہ جاتے جا پلٹی۔ "اگر نالی صاف کرنے والا تمہارا ملازم فار ہمارے ہاں بھجوا دینا۔ ہماری پانی کی نالی بہت گند ہو گئی ہے۔"

"ارے یہ وہ تھی۔" ٹیپو تحیر سے سمانہ کی طرف پھر اس کے خطرناک تیور دیکھ کر اس نے امی کے نعرے لگاتے ہوئے اندر کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"کیا ہو رہا ہے؟" رمنا وارڈ روب کھولے نہ جا کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ جب سلمان نے اندر جھانکا۔

"کچھ خاص نہیں۔ دیکھ رہی تھی آپ لوگوں منگنی پر کون سا سوٹ پہنوں۔" اس نے الماری کی۔ سلمان نے ایک لمحے کو سوچا۔

"فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ تم لوگوں کو شاپنگ کروا ہوں۔ بس جلدی کرو۔" رمنا حیران حیران سی اس پیچھے باہر نکلی۔

"امی جی! میں ان لوگوں کو شاپنگ کروا لاؤں۔" سلمان نے باہر آکر خود ہی امی سے پوچھا۔

"کیسی شاپنگ۔" وہ چونکیں۔

"ان کے گفٹس ڈیو ہیں مجھ پر۔ اصولاً "امری سے واپسی پر مجھے ان کے لیے گفٹس لانے چاہیے تھے۔ میں یوں ہی خالی ہاتھ چلا آیا۔"

"چھوڑو بیٹا! کیوں تکلیف کرتے ہو تم۔" انہوں نے ٹالنا چاہا۔

"حالانکہ اس بات پر تو سلمان کو جرمانہ ہونا چاہیے تھا۔" زوار نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"جناب میں جرمانہ بھرنے کو تیار ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے پر سمانہ کو رہنے دو۔" امی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"امی جی! منگنی تو کل ہے۔ آج تو جانے دیں۔" سلمان نے بوکھلا کر مدد طلب نگاہوں سے زوار کی طرف دیکھا۔

"جانے دیں چچی جان! پابندیاں کل سے عائد کر دیجیے گا۔" زوار نے مسکراتے ہوئے سفارش کی تو وہ مسکرا کر چپ ہو گئیں۔

"تم نہیں چل رہے؟" سلمان نے زوار کو یونہی بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں یار! میں بہت تھک گیا ہوں۔" زوار اٹھ کر باہر آیا۔ حسب توقع ککی نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔

"اگر تم اس طرح کرو گی تو وہ لوگ سوچیں گے تم پچھتا رہی ہو۔ ان کے ساتھ نارملی بیہو کرو۔ اٹھو تیار ہو جاؤ۔"

زوار کے سمجھانے پر وہ تیار ہو گئی۔ بازار میں حسب معمول بہت رش تھا۔ رمنا اور سمانہ چوڑیوں کے اسٹال کی طرف لپکیں۔

"سنو! دھنک میں کتنے رنگ ہوتے ہیں۔" سلمان نے سمانہ کے پیچھے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"سات۔" وہ چوڑیاں پسند کرتے ہوئے بے خیالی سے بولی۔

"ساتوں رنگوں کی چوڑیاں پیک کروا لو اپنے لیے۔"

"اتنی ڈھیر ساری چوڑیاں کیا کروں گی میں۔"

"تمہاری کلائی میں چوڑیاں بہت جچتی ہیں۔" اس نے ذرا سا جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ سمانہ کے گال دہک اٹھے۔

"اُفوہ! آپ تو پیچھے ہٹیں یا آپ کو بھی چوڑیاں پہننی ہیں۔" کسی منچلی نے جگہ کی تلاش میں جھنجھلا کر سلمان کو دھکیلا۔ وہ خجل سا ہو کر پیچھے ہٹا تو نگاہ ککی پر گئی۔ جو یونہی کھڑکی شیشے کے پار جھانک رہی تھی۔ اس نے کچھ بھی نہیں لیا تھا۔

"آپ چوڑیاں نہیں لے رہیں تحریم۔"

"میری کلائی میں چوڑیاں زیادہ اچھی نہیں لگتیں۔" وہ بغیر اس کی طرف دیکھے بولی۔ سلمان شرمندگی کے کسی گہرے احساس میں گھر گیا تھا۔ ککی یونہی آگے بڑھ گئی۔

"بس تھوڑا انتظار اور تحریم۔" سلمان نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ پھر ٹیپو کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ ٹیپو کے ہزار انکار کے باوجود اسے جینز اور شرٹ دلا کر واپس آیا تو وہ تینوں دکان کے سامنے انہیں ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ لوگ۔"

"یہیں تھے کیا خریدا تم لوگوں نے۔" سلمان نے پوچھا۔

"ہم نے بہت اچھی چوڑیاں لی ہیں۔" رمنا نے خوش ہو کر بتایا۔

"بس چوڑیاں" سلمان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اور تو کچھ بھی نہیں لینا تھا ہمیں۔"

"نہیں بھئی' ایسے تو نہیں چلے گا۔" اس نے والٹ نکال کر کئی نوٹ نکالے اور رمنا کی مٹھی میں تھما دیے۔

"اپنے اور تحریم کے لیے اچھا سا سوٹ پسند کر لو۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے سلمان۔" تحریم نے سختی سے منع کرنا چاہا۔

"پلیز میری طرف سے گفٹ سمجھ کر۔"

"مگر سلمان بھائی!"

"بھائی صرف کہتی ہو سمجھتی نہیں۔" سلمان نے پیار بھری خفگی سے رمنا کو دیکھا۔ اس کے لہجے میں مان بھرا اصرار تھا۔ رمنا نے ککی کی طرف دیکھا۔ وہ لب بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"او کے۔ لیکن آپ سمانہ کو گفٹ نہیں دیں

گے۔" رمنا نے گویا اپنے آپ فیصلہ کیا۔

"اگر اجازت ہو تو تھوڑی شاپنگ میں سمانہ کو اپنی پسند سے کروا دوں۔" سلمان نے کان کھجاتے ہوئے پوچھا۔ سمانہ کی تو جان ہی نکل گئی۔

"نن نہیں۔"

"کھسکنا چاہتے ہیں آپ۔" رمنا ہنسی۔

"کھسکنا ہوتا تو کیا اجازت مانگتا۔" سلمان نے مسکرا کر کہا۔

"ہم نہیں دیتے اجازت۔" رمنا اکڑ گئی۔

"او کے ہم اجازت لیتے ہی نہیں۔ ٹیپو ٹھیک آدھے گھنٹے بعد یہیں ملیں گے۔" دوسرے لمحے وہ سمانہ کا ہاتھ تھام کر تن زیب میں گھستا چلا گیا۔ ہکا بکا ٹیپو ان دونوں کی طرف پلٹا۔

"امی نے اس کے بارے میں تو کوئی ہدایت نہیں کی تھی۔"

"دیکھو نہیں۔" ککی کو نجانے کیوں شدید غصہ آگیا تھا۔

"چلو سمانہ ڈیر! پسند کرو اچھا سا سوٹ۔"

"مجھے نہیں پتا۔" سمانہ جھنجلا کر بولی۔ خجالت و شرمندگی سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ "آپ کو ذرا شرم نہیں آتی ٹیپو بھی وہیں تھا اور ککی آپا کیا سوچتی ہوں گی۔"

"یہ بعد میں سوچیں گے۔ پہلے کوئی سوٹ پسند کرو۔" سلمان نے اطمینان سے کہا۔

"مجھے نہیں پتا۔" سمانہ کو پتا تھا واپسی پر رمنا اور ٹیپو کس طرح اس کا ریکارڈ لگائیں گے۔ سلمان نے اپنی پسند سے پنک سوٹ خرید لیا جس پر دبکے کا خوب صورت کام ہوا تھا۔ ساتھ میں میچنگ چوڑیاں بھی۔

"منگنی کی شام یہی سوٹ پہننا۔ بہت اچھی لگو گی۔"

"دیکھوں گی۔" وہ خفگی سے لہجے میں گویا ہوئی۔

"اچھا بابا! ... چھوٹی ... اور ایک ... تحریم کے لیے پسند کرو۔" سلمان نے کہا۔

"شکریہ تو۔"

"مجھے پتا ہے، وہ نہیں خریدے گی۔" سلمان ... سنجیدگی سے کہا۔ تو وہ قدرے سہولت سے لباس ... کرنے لگی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اوائل بہار کی خوشبو میں بھیگی سبز ہوا مائل شرارت تھی۔ بار بار اس کے آنچل سے لپٹ جاتی ... ادھ کھلے گلابوں کی خوشبو کسی رازداں چنچل سہیلی ... طرح اس کے گالوں کو چھو جاتی تو اس کے چہرے ... ایسے ایسے رنگ بکھر جاتے کہ نگاہ ٹھہرانی مشکل ... وہ اپنے چہرے پر بکھرتے رنگوں کو محسوس کر کے جھینپ رہی تھی۔ کبھی آنچل میں چہرہ چھپانے کو ہاتھ اٹھاتی ... چوڑی کنگن ایک ساتھ نئی دھن سنانے لگتے۔ ... جھمکا اس کے کان میں سرگوشی کر دیتا۔ وہ ان سب شرارتوں سے تنگ آکر شرماتی تو کبھی جھنجلا جاتی۔

"یار! یہ سمانہ کو کیا ہو گیا ہے یہ اتنی خوب صورت کبھی نہ تھی۔" اس کی ایک سہیلی بڑی حیرت سے ... رہی تھی۔

"محبتوں کا اعجاز ہے میری جان۔" دوسری نے ... بھری۔

"اس پر تو لگتا ہے محبتیں کچھ زیادہ ہی اثر انداز ... گئی ہیں۔ ورنہ منگنی تو ہماری بھی ہوئی تھی۔" ... کے لہجے میں ہلکی سی جلن تھی۔

"ماشاء اللہ بھی تو کہہ دیں نا۔ کہیں نظر ہی نہ لگ جائے۔" پاس سے گزرتی رمنا نے کہا۔ وہ بہت مصروف تھی۔ تحریم اور وہ کچن میں لگی تھیں۔ مہمانوں کی تواضع کے لیے کچھ قیمے کے کباب ... چکن رول، سنڈوچز اور چائے گھر پر ہی تیار کیے ... جبکہ پھل، مٹھائی اور کوک ابھی ابھی زوار لے کر ... تھا۔ تقریب کا انتظام لان میں ہی کیا گیا تھا۔

"ماشاء اللہ کتنی پیاری لگ رہی ہو۔ مجھے اندازہ ... رہا ہے تم دلہن بن کر کتنی خوب صورت لگو گی۔" اس ... نے دھیرے سے سمانہ کی بندیا کو چھو کر کہا۔ یہ سمانہ کی ... وہی فرینڈ ارم تھی۔

"ہمارے دولہا بھائی بھی کم نہیں ہیں۔ ایک دم ...

شہزادہ لگ رہے ہیں۔" رمنا نے ٹکڑا لگایا۔

"تو کہاں چھپا رکھا ہے ذرا نکالو تو۔"

سلمان آیا تو اس کی نگاہ گویا جم کر رہ گئی تھی۔ پنک سوٹ میں وہ اتنی مقدس اور پیاری لگ رہی تھی کہ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"سمانہ! یہ تم ہو۔؟"

"نہیں سمانہ کا بھوت ہے۔" رمنا ہنسی۔

"تم سچ مچ اتنی خوب صورت ہو یا مجھے لگ رہی ہو۔" وہ بے خود ہو رہا تھا۔

"اللہ سلمان بھائی کچھ شرم کریں۔" کسی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا۔ وہ جیسے ہوش میں آیا۔ پھر ڈھٹائی سے مسکرا کر بولا۔

"شرم کیسی۔ اگر سمانہ واقعی اتنی خوب صورت لگ رہی ہے میں کیا کروں۔"

"دولہا بھائی! آپ کو تو واقعی شرم نہیں آتی۔ کیسے سرعام تعریف کیے جا رہے ہیں۔" کسی نے اعتراض جڑا۔

"کسی غیر کی تو تعریف نہیں کر رہا اور اول تو دولہا بنے نہیں ہیں ہاں بن جائیں اگر سمانہ ابھی مان جائے تو۔" سمانہ کا سر بارے شرم کے گھٹنوں سے جا لگا تھا۔

"اف فورا" انگوٹھی نکالیں سلمان بھائی! آپ کی تو نیت بدل رہی ہے۔" رمنا ان کے پاس آبیٹھی۔

"انگوٹھی۔" سلمان اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ تب ہی سارے بزرگ بھی آگئے۔ سب ہی نے ان دونوں کے سروں پر پیار کر کے دعائیں دیں۔

"انگوٹھی نکالیں سلمان بھائی۔"

"وہ تو شاید میں لانا ہی بھول گیا۔" سلمان نے بے چارگی سے کہا۔

"کیا؟ آپ انگیجمنٹ رنگ بھول گئے۔ سمانہ ڈیر ابھی سوچ لو کیسے بھلکڑ شخص سے واسطہ پڑا ہے۔ کل کلاں کو تمہیں نہ بھول جائیں۔" سمانہ کی سہیلی اس کے کندھے پر جھکی۔

"ان کو کون بھول سکتا ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ پھر جیب سے انگوٹھی نکال کر اس نے تنبیہی نگاہوں سے سب کو گھورا۔ "تم لوگ ورغلاؤ مت سمانہ کو۔"

"انگوٹھی پہنائیں انگوٹھی۔" شور بلند ہوا۔

"لیکن اس سے پہلے ایک گانے کے بول سن لیں۔ وہ کیا کہا ہے کسی نے کہ۔" ٹیپو نے باقاعدہ گا کر انہیں سنایا۔

جب جب کسی کی عقل جائے ماری
کرتا ہے پھر وہ شادی کی تیاری

جوابا" زوار نے دھپ لگائی تھی۔

"تم اسے الٹی پٹیاں مت پڑھاؤ۔"

"چلیں نہیں پڑھاتے۔" ٹیپو نے اپنی گردن سہلائی۔ "مگر اب ذرا جلدی کریں۔ کچن سے اٹھنے والی خوشبوئیں میرے صبر کا ضرورت سے زیادہ امتحان لے چکی ہیں۔"

"تمہیں تو ہر وقت کھانے کی سوجھتی ہے۔" رمنا اور اس کی اپنی ہی نوک جھوک شروع ہو گئی تھی۔

"چلو بیٹا بسم اللہ کرو۔" تائی اماں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"پلیز۔" سلمان نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ سمانہ کے ہاتھوں میں لرزش سی اتر آئی تھی۔ اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اٹھایا اس سے قبل کہ سلمان اسے تھام کر انگوٹھی پہناتا۔ دروازے پر ہونے والی تیز دستک نے سب کو چونکا دیا۔

"اس وقت کون آگیا۔؟" ٹیپو جھنجلایا۔

"شاید کوئی مہمان ہو جاؤ دیکھو۔" ابو نے کہا تو وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"فرمایئے۔" اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا پھر ٹھٹھک گیا۔ سامنے کھڑے اونچے لمبے نوجوان نے اپنا سفری بیگ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا اور مسکراتی نگاہوں سے ٹیپو کو دیکھا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو تم ٹیپو ہو۔"

اس کی آواز و انداز، مسکراتی آنکھیں اور وہی مہربان مسکراہٹ ٹیپو نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"آپ؟" ٹیپو کا تحیر آمیز استفہامیہ لہجہ "نووارد کے لبوں پر مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی۔

"اندر تو آنے دو۔ بہت دور سے آیا ہوں۔"

ٹیپو نے غیرارادی طور پر رستہ چھوڑا۔ وہ مستحکم قدم اٹھاتا اندر آیا۔ پھر کسی تقریب کے اثرات دیکھ کر ذرا سا رکا۔

"شاید میں بہت اچھے وقت پر آیا ہوں۔"

کسی گہرے احساس میں گھر کر سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ جن میں سر فہرست سلمان احمد صدیقی تھا۔

"تم۔" سلمان کی سرسراتی آواز ابھری۔ نووارد کی آنکھوں میں تحیر امڈ آیا۔

"تم یہاں۔؟"

"بیٹا! کون ہیں آپ۔؟" ابو نے اضطراری انداز میں پوچھا۔ نووارد کے لبوں پر مضمحل سی مسکراہٹ جا گی۔

"میرا خیال تھا آپ لوگ مجھے پہچان لیں گے۔"

اس کی متلاشی نگاہوں نے چاروں طرف سفر کیا۔ مگر کہیں ٹھہری نہیں۔

"میں سلمان احمد صدیقی ہوں۔" ایک دھماکا ہوا تھا۔ ایک لمحے کو تو سب کی سماعتیں بہری ہو گئیں۔

"کیا کہہ رہے ہو۔ سلمان احمد تو یہ ہے۔"

نووارد کی گہری نگاہیں سمانہ کے ساتھ کھڑے شخص پر رکیں۔ پھر وہ قدم قدم چلتا اس کے عین سامنے رکا۔

"بتاؤ ناں ان کو تم کون ہو؟" اس نے اصرار آمیز لہجے میں کہا۔

سمانہ کے ساتھ کھڑے شخص نے انگوٹھی مٹھی میں بھینچ کر سمانہ کو دیکھا۔ وہ مضطرب سی کھڑی تھی۔ پھر وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولا تھا۔

"میں..... میں زنیر احمد صدیقی ہوں۔"

♥ ♡ ♡ ♥

احمد صدیقی ملتان کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ ان کا پتا بتانے کے لیے بس اتنا کہنا ہی کافی تھا کہ لال حویلی چلنا ہے۔ انہوں نے دو شادیاں کی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی ان کی تایا زاد تھی۔ مگر ایک بیٹی اور بیٹے دے کر بیماری کے بعد رحلت فرما گئیں۔ کچھ عرصہ احمد صدیقی مرحومہ بیوی کی یادوں سے ہی نہ نکل سکے۔ پھر قریبی رشتہ داروں نے ان کی توجہ بچوں کی طرف دلائی۔ تو انہیں بھی احساس ہوا کہ ان تمام ذمہ داریوں سے تنہا عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ ان کے بھرتے ہی ان کے قریبی ماموں نے ایک دور پار کے رشتے دار کی غریب و یتیم بیٹی کے ساتھ ان کا عقد کروا دیا۔

قدسیہ خاتون سمجھدار اور سلیقہ شعار عورت تھیں۔ انہوں نے نہ صرف حویلی کا نظم و نسق انتہائی خوش اسلوبی سے سنبھالا۔ بلکہ بن ماں کے بچوں کو محبت دینے کی کوشش کی تھی کہ اشفاق احمد اور ابصار احمد کی پیدائش کے بعد بھی ان دونوں بچوں پر ان کی توجہ کسی صورت کم نہیں ہوئی تھی۔ چار سالہ خدیجہ نے تو بہت آسانی کے ساتھ انہیں ماں کی جگہ قبول کر لیا تھا۔ مگر احتشام احمد انہیں کسی صورت قبول نہ کر پایا۔ نجانے کہاں سے ڈھیر ساری نفرت ان کے دل میں جمع ہو کر پروان چڑھتی رہی۔ باپ کے سامنے تو دم مارنے کی جرات نہ تھی۔ البتہ ان کی وفات کے بعد اس نے گویا سارے بدلے چکا دیے۔

احتشام احمد کی توجہ شروع ہی سے زمینداری کی طرف تھی۔ جبکہ اشفاق اور ابصار نے ملازمت کو ترجیح دی۔ باپ نے چاروں بچوں کی شادی اپنی زندگی میں ہی کر دی تھی۔ زمینداری مکمل طور پر احتشام احمد کے ہاتھ میں تھی۔ جیسے ہی احمد صدیقی نے آنکھیں بند کیں احتشام احمد نے اپنے وکیل کو ساتھ ملا کر ان کی پوری وصیت ہی تبدیل کروا دی۔ جس کی رو سے چاروں بچوں کو جائیداد برابر تقسیم ہوئی تھی۔ مگر اب ساری جائیداد صرف احتشام احمد صدیقی کے نام تھی۔

قدسیہ بیگم بھونچکی رہ گئیں۔ وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ احمد صدیقی کبھی اس طرح نہیں کر سکتے۔ ابصار احمد نے چاہا کہ وہ اس وصیت کو عدالت میں چیلنج کریں۔ مگر اشفاق احمد جو ان دنوں ساہیوال اپنی

ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے۔ ان سب کو وہیں لے گئے۔ شوہر کی وفات کے ساتھ ساتھ عمر کے اس آخری دور میں قدسیہ بیگم کو لال حویلی سے دربدری کسی صورت گوارہ نہ تھی سو لال حویلی سے نکلنے کے بعد محض ایک سال تک زندہ رہ سکی تھیں۔

احتشام احمد نے خدیجہ کو (جو اپنے شوہر کے ساتھ حویلی میں ہی مقیم تھیں) صاف کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اشفاق و ابصار کے ساتھ تعلق رکھیں گی تو انہیں احتشام احمد کو چھوڑنا ہو گا۔ خدیجہ بھائی کی اس درجہ سنگ دلی پر دل مسوس کر رہ گئیں۔ مگر وہ کسی طرح چھوٹے بھائیوں کو چھوڑ نہیں سکتی تھیں سو احتشام احمد سے چوری چھپے چھپے ان سے ملتی رہیں۔ یہاں تک کہ جب تحریم پیدا ہوئی تو انہوں نے چپکے سے اپنے اکلوتے بیٹے سلمان احمد کے نام کی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی تھی۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے سلمان کے ذہن میں انہوں نے پوری طرح یہ بات بٹھا دی تھی کہ اس کی شادی بس تحریم کے ساتھ ہو گی۔ وہ جب بھی ساہیوال سے واپس آتیں تو سلمان کو تحریم کی ایک ایک بات بتاتیں۔ یوں سلمان کے ذہن و دل میں ایک تصویر سی بنتی چلی گئی۔

وہ یوں چلتی ہے۔ یوں بات کرتی ہے اسے یہ پسند ہے یہ ناپسند۔ مگر اس سے قبل کہ خدیجہ بھائی کو اس رشتے کے بارے میں بتاتیں۔ ہاکا سا ہارٹ اٹیک بہانہ بن گیا۔ تب تک وہ اپنی دونوں بیٹیوں کی شادی کر چکی تھیں۔ سلمان احمد امریکہ پڑھنے چلا گیا تھا۔ جب باپ اور ماموں نے اس کی شادی کرنا چاہی تو اس نے وہیں سے انہیں اپنی اور مرحومہ ماں کی پسند بتا دی۔ احتشام احمد تو گویا بھڑک اٹھے۔ سلمان کے والد نے اس سلسلے میں چپ سادھ لی تھی۔ وہ اکلوتے بیٹے کو اس کی محبت سے محروم نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی اس صورت میں جائیداد ہاتھ سے جانے دینا چاہتے تھے۔

احتشام احمد نے صاف کہہ دیا کہ اگر وہ تحریم سے شادی کرے گا تو ان کا اپنے بہنوئی اور بھانجے سے کوئی رشتہ نہیں ہو گا۔ سلمان احمد تنہا اس محاذ پر لڑتا رہا۔

لال حویلی کے باقی افراد ماموں بھانجے کی اس چپقلش سے بے خبر تھے۔ حتیٰ کہ زنیر احمد صدیقی بھی۔ جو احتشام احمد کا اکلوتا بیٹا تھا اور طبعیتاً احتشام احمد کے بالکل برعکس تھا۔ نرم مزاج اور حلیم طبع یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا کوئی نہیں جانتا تھا۔ مگر وقت نے اس کا فیصلہ احتشام احمد کی موت کی صورت کر دیا۔ یوں لال حویلی پر چھائی بائیس سالہ نفرت و عداوت کی خود ساختہ فضا دم توڑ گئی اور اس عرصے میں سلمان احمد لال حویلی سے سارے ناتے توڑے تن تنہا خود کو اسٹیبلش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حویلی کے سارے معاملات اب زنیر احمد صدیقی کے ہاتھ آ گئے تھے تب آصفہ بیگم نے بائیس سالوں پر محیط یہ کہانی زنیر احمد صدیقی کے گوش گزار کر دی۔ وہ بھونچکا رہ گیا۔ وہ جانتا ہی نہ تھا کہ اس کے چچا بھی موجود ہیں۔ آصفہ بیگم ان سب کو ان کا حق واپس دلانا چاہتی تھیں اور زنیر احمد کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ بلکہ وہ تو تڑپ اٹھا تھا۔ اپنوں سے ملنے کو اور اپنے باپ کی غلطیوں کی تلافی کے لیے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ چچا وغیرہ اسے احتشام احمد کے بیٹے کی حیثیت سے قبول کریں گے یا نہیں۔ ماں نے بتایا تھا کہ تمہاری پھوپھو اپنے بھائیوں سے ملتی رہی تھیں۔ سلمان نجانے کہاں غائب تھا کہ اس نے سارے رابطے ہی توڑ لیے تھے۔ سو اس نے سلمان کی حیثیت سے وہاں جانا مناسب سمجھا۔ اسے تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ سلمان اور تحریم کے درمیان کوئی رشتہ بھی ہے۔ وہ تو بس ان لوگوں میں اس طرح شامل ہو جانا چاہتا تھا کہ وہ لوگ کسی صورت اسے خود سے الگ نہ کر سکیں۔ پھر وہ سب ہوتا چلا گیا اور اب وہ ان سب کے سامنے سر جھکائے مجرم کی طرح کھڑا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

کھلی ہتھیلی پر دھری انگوٹھی پر وہ نظریں جمائے سوچ رہی تھی۔

"کیا خوابوں کے مقدر میں بس خاک ہونا ہی لکھا ہے۔ تو پھر یہ آنکھیں خواب کیوں پروتی ہیں۔"

"بے مہر ہواؤں کے سامنے چراغ اپنا وجود کھو دیتے ہیں۔ تو ہمارے وجود میں کھڑکیاں سی کیوں کھلتی ہیں۔ سلمان احمد صدیقی اگر یہی سب کرنا تھا تو میرے سنسان رستوں میں خوشبو کیوں بکھیرتے رہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا۔"

"ککی آپا ککی آپا۔!" رمنا آندھی و طوفان کی طرح بھاگتی آئی تھی۔ اس نے مٹھی بند کر کے اس کی طرف دیکھا۔

"ککی آپا وہ وہ۔" اس کی سانس الجھ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟" اس نے رسانیت سے پوچھا۔

"ککی آپا! سلمان' سلمان بھائی آئے ہیں۔" نجانے کیوں وہ بار بار ہنستی تھی اور پھر رو دیتی تھی۔

ککی نے اس کے عقب میں دیکھا۔

"کیا وہ کہیں گئے تھے؟"

"ککی آپا وہ' وہ سلمان بھائی نہیں تھے۔ سلمان بھائی اب آئے ہیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو رمنا!" وہ نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھے گئی۔ تب رمنا نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"آئیں میرے ساتھ۔" اور اسے کھینچتی چلی گئی۔

لان میں ایک گہری چپ تھی اور زنیر کہہ رہا تھا۔

"خدا گواہ ہے چچا جان! میں نے یہ سب پوری نیک نیتی کے ساتھ کیا تھا۔ آپ لوگوں میں شامل ہونے کے لیے اور اب میں آپ سب کے اس قدر قریب آ چکا ہوں کہ واپسی ناممکن ہے آپ مجھے دھتکاریں گے۔ میں تب بھی نہیں جاؤں گا۔"

سب کی نظریں ابصار احمد پر جمی تھیں۔ نوجوان نسل کے چہرے پر اشتیاق تھا۔ جو کچھ ماضی میں ہوا وہ ان کے لیے کچھ معنی نہ رکھتا تھا۔ یہ خوب صورت نوجوان ان کا کزن ہے وہ بہت پہلے اسے تسلیم کر چکے تھے۔ خواہ کسی بھی حیثیت سے سہی۔ سمانہ کی آنکھوں میں سہما سہما سا خوف اتر آیا تھا اور وہ ٹکٹکی باندھے باپ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جن کے ہونٹوں پر چپ تھی' گہری چپ ککی عین سلمان کے عقب میں رکی تھی اور سلمان گویا اسے اس کی خوشبو سے پہچان گیا تھا تب ہی تیزی سے پلٹا۔ نظروں سے نظریں ملی اور اس نے بے اختیار پکارا۔

"ککی!"

اور تحریم نے لڑکھڑا کر سہارے کے لیے رمنا کا ہاتھ تھاما تھا۔ سلمان کے لہجے میں وہی شدتیں تھیں، جو اس کے لفظوں میں نظر آتی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں تحیر آمیز اشتیاق تھا جس کے عقب سے محبت اپنی تمام تر بے قراری کے ساتھ جھانک رہی تھی۔

تحریم کا وجود ساکت ہو گیا اس کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا۔

"یہی تو ہے۔"

تب ہی ابصار احمد نے سر اٹھا کر سب کو دیکھا۔ تب بھی ان کے لبوں پر لطیف سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"وہ تو ٹھیک ہے زنیر بیٹا! مگر پہلا حق تو ککی اور سلمان کا ہے نا۔"

فضا ایک دم مہک اٹھی تھی۔ ایک شور سا اٹھا تھا۔

"انگوٹھی نکالیں سلمان بھائی۔"

"انگوٹھی۔" وہ دونوں ایک ساتھ بول اٹھے۔

"اُفوہ! ہم اصلی سلمان سے کہہ رہے ہیں۔" سب نے حسب توفیق زنیر کو گھورا۔

"مگر میں انگوٹھی تو لایا ہی نہیں۔" سلمان پریشان ہوا۔

"اب انگوٹھی کہاں سے لائیں۔ سلمان میرا مطلب ہے زنیر بھائی! آپ ہی ذرا سی دیر کو انگوٹھی دے دیں۔" رمنہ نے کہا۔

"نہیں بھئی ہم تو اپنی انگوٹھی نہیں دے رہے۔" زنیر نے صاف انکار کر دیا۔

"ہائے انگوٹھی۔" چاروں طرف انگوٹھی کی ڈھنڈیا مچ گئی تھی۔ ککی نے دھیرے سے اپنی ہتھیلی سلمان کے سامنے کھولی۔ سلمان نے چونک کر دیکھا۔ پھر اس کی ہتھیلی سے انگوٹھی اٹھا کر اس کی انگلی میں پہنا دی۔

"میں نے کہا تھا نا میں سرخ گلابوں کے موسم میں آؤں گا۔" سلمان نے جھک کر سرخ گلاب کی ادھ کھلی کلی توڑی اور اس کے بالوں میں سجا دی۔ تحریم کو لگا۔

سرخ گلابوں کے موسم اس کے آنگن میں ہی نہیں دل میں بھی آ ٹھہرا ہے۔